جامعہ دارالتقویٰ لاہور

جامعہ دارالتقویٰ لاہور

کا ترجمان

ماہنامہ

دارالتقویٰ

لاہور

شوال، ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ / جون 2021ء

- مدارس میں نئے تعلیمی سال کا آغاز
- علماء وطلباء سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی باتیں
- لہو لہو فلسطین
- وقت کی قدر اہل علم کی نظر میں
- عورتوں کا اجنبی مردوں سے برتاؤ

جامعہ دار التقویٰ (ٹرسٹ) زیرِ اہتمام

طالبات کی دینی تعلیم وتربیت کا مثالی ادارہ

مدرسہ فاطمۃ الزہراء رضؓ للبنات

عالمہ کورس (چھ سالہ)

الصّف الاعدادی (ایک سالہ)

صف النساء (ایک سالہ)

دراسات دینیہ (دو سالہ)

اعلان داخلہ

آغاز داخلہ 10 شوال سے   وقت داخلہ صبح 8 تا 12

مزید شاخیں

کینٹ

گارڈن ٹاؤن

گلشن راوی

شیخوپورہ

شاہدرہ

ازمیر ٹاؤن

سمن آباد

ایڈن کاٹیج

قصور

مری

دار التقویٰ لاہور

مرکزی دفتر: جامعہ دار التقویٰ جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک، لاہور 042-35967905

+92-3-222-333-224 www.darultaqwa.org /jamiadarultaqwa

شرعی مسائل میں رہنمائی کیلئے Mufti Online +92-300-4113082 ifta4u@yahoo.com

ترجمان جامعہ دار التقویٰ لاہور

ماہنامہ

دار التقویٰ

لاہور

بدعا حضرتِ اقدس ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد 10 | شوال، ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ - جون 2021ء | شمارہ 10

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

مدیر

حضرت مولانا اویس احمد صاحب

مدیر مسئول

مولانا عبدالودود ربانی

مجلس مشاورت

- حضرت مولانا عثمان صاحب
- حضرت مولانا عامر رشید صاحب
- حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب

مجلس ادارت

- مفتی محمد اسامہ
- مولانا ذوالکفل

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ دار التقوی متصل جامع مسجد الہلال چو برجی پارک لاہور

فون نمبر: 0304-4167581 04235967905

سالانہ رسالے کے اجراء کے لیے مذکورہ پتہ پر منی آرڈر کریں

مقام اشاعت

متصل جامع مسجد الہلال

چو برجی پارک لاہور

بینک اکاؤنٹ نمبر

1001820660001

ٹائٹل اکاؤنٹ دار التقویٰ ٹرسٹ

ایم آئی بی برانچ کوڈ 159 (مسلم کمرشل بینک)

Email Address

Monthlydarultaqwa@gmail.com

اس دائرے میں سرخ نشان مدت خریداری کے ختم ہونے کی علامت ہے

فی شمارہ: ۴۰ روپے

سالانہ بدل خرچ: ۴۸۰ روپے

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس

ترجمان جامعہ دار التقویٰ لاہور

ماہنامہ دار التقویٰ لاہور

جون 2021ء

فہرست

حرف اولیں

مدارس عربیہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ——— مولانا عبدالودود ربانی ——— 5

درس قرآن

فتح مبین کا تذکرہ ——— مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ——— 11

مقالات ومضامین

علماء وطلباء سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی باتیں ——— مفتی سمیع الرحمن ——— 20
لہو لہو فلسطین ——— مولانا محمد منصور احمد ——— 27
حضرت سعید بن عامر جمحی ——— مولانا ڈاکٹر محمد جہان یعقوب ——— 34
وقت کی قدر اہل علم کی نظر میں ——— ابن الحسن عباسی ——— 37
ساڑھے سات ارب بزدل مسلمانوں کا سمندر ——— اوریا مقبول جان ——— 44
عورتوں کا اجنبی مردوں سے برتاؤ ——— مولانا اشرف علی تھانوی ——— 48

سوانح

سوانح حضرت حاجی عبد الوہاب صاحب رح ——— مولانا ذوالکفل ——— 52

سفرنامہ

جہان دیدہ ——— مفتی تقی عثمانی صاحب ——— 56

مسائل

بیچا ہوا مال واپس لینے کا حکم ——— مفتی محمد ارشاد قاسمی ——— 62
آپ کے مسائل کا حل ——— دار الافتاء والتحقیق ——— 64

حرف اولیں

مدارس عربیہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز

مدارس العربیہ پاکستان تقریباً ڈھائی ماہ کی تعطیلات کے بعد دوبارہ کھل چکے ہیں۔ دینی مدارس کا تعلیمی سال شوال سے شروع ہوتا ہے اور رجب وشعبان میں اختتام پزیر ہوتا ہے۔ تمام دینی مدارس میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ طلبہ کرام دور دراز اضلاع واطراف واکناف سے سفر کر کے اپنے اپنے مدارس میں پہنچ رہے ہیں۔ ان میں جہاں قدیم طلبہ شامل ہیں، وہیں ایک بڑی تعداد جدید طلبہ کی ہے۔ مدارس کی رونقیں انہی تشنگانِ علومِ نبوت کے دم قدم سے ہیں جس کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔ جس طرح ''دین'' پوری انسانیت کی ضرورت ہے، اسی طرح دینی مدارس بھی پوری انسانیت کی ضرورت ہیں، کیوں کہ انہی دینی مدارس سے انسانی روح کا سامان مہیا ہوتا ہے، انہی سے مسلم معاشرہ اپنے اسلامی تمدن، معاشرت، معیشت اور ثقافت کے اصولوں پر پروان چڑھتا اور ترقی پاتا ہے۔ اربابِ مدارس اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ان کے کندھوں پر بہت بھاری ذمہ داری ہے، بقول حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ: ''دینی مدرسہ ایک عذاب ہے، اگر دنیا کے لیے بنایا تو آخرت کا عذاب بن جائے گا اور اگر آخرت کے لیے بنایا گیا اور اسی کو سامنے رکھ کر چلایا جائے تو پھر یہ دنیا کا عذاب ہے''۔ دینی مدارس کے منتظمین کے پاس مدرسہ کے نام پر آنے والی ہر چیز ''امانت'' ہوتی ہے، خود مدرسہ کی عمارت ایک امانت، طلبہ کرام ایک امانت، اساتذہ کرام ایک امانت، جامعہ کو ملنے والا تعاون خواہ نقدی کی شکل میں ہو یا اسباب ووسائل کی صورت میں سب ایک امانت، ایسے میں ان تمام امانتوں کا سنبھال کر رکھنا، ان کے حقوق ادا کرنا، بہت مشکل کام ہے اور یہ چیز اللہ تعالی کی توفیق، اخلاص اور تقویٰ کے التزام کے بغیر ناممکن ہے۔ منتظمین مدارس کو الحمد للہ اس بات کا

خوب ادراک ہوگا کہ تشنگان علوم نبوت جو ہماری طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ،دین ہر شخص کی فطری ضرورت ہے اور امت کا مدارس پر اعتماد آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین متین کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے کہ پروپیگنڈے کے اس دور میں بھی پہلے سے بڑھ کر متلاشیان علم اور داعیان حق کا مدارس کی طرف رجوع کرنا مدارس کے خلاف گمراہ کن اور مضحکہ خیز پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب ہے۔ اہلیان مدارس کی اب یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طلباء کو معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا بھی خوب اہتمام کریں ،تاکہ ہمارے یہ طلباء معاشرے کا مفید رکن بن کر دین کی اشاعت وتبلیغ کا ذریعہ بنیں۔ دین کی تبلیغ ،اشاعت ،تحفظ اور نفاذ ،صحیح عقائد ومسائل اور احکامات الٰہیہ کا پرچار ہی مدارس کی محنت کا میدان ہے۔ اس حوالے سے صحیح تعلیم وتربیت ،اصلاح نفس وتزکیہ باطن کی عملی درس گاہیں ہی حقیقت میں مدارس اسلامیہ کہلانے کی مستحق ہیں۔

جہاں مدارس کی انتظامیہ واساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا مضبوط ومربوط نظام الاوقات ترتیب دیں کہ جس میں طلباء کی دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی وروحانی تربیت کا سامان بھی موجود ہو، اصلاح نفس وتزکیہ باطن کا بھی اہتمام ہو اور بطور ایک مبلغ دین کی اشاعت وترویج کی عملی مشقوں کے مواقع بھی دستیاب ہوں وہیں طلباء پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جب تک طلباء اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں کریں گے اور سیکھنے، حاصل کرنے اور کچھ بننے کے لئے سنجیدہ نہیں ہوں گے اچھے سے اچھا نصاب اور مضبوط ومربوط نظام الاوقات دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ ذیل میں طلباء کی کچھ ذمہ داریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) عزیز طلبہ! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ حسن نیت کی اہمیت کے پیشِ نظر ہی امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "الجامع الصحیح" کا آغاز بھی اس حدیث سے کیا تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہوجائے کہ ہر عمل خیر سے پہلے دل کے ارادہ کو صحیح کرنے کا اہتمام کیا جائے، نیت صحیح ہو اچھی ہو اور ہر بھلائی ونیکی صرف خدا کی خوشنودی کے لئے ہو اگر ایمان، اسلام، تحصیل علم، تمام اعمال صالحہ، طاعات، عبادات، جہاد، صرف مال، زکوٰۃ وصدقات، حج بیت اللہ وہجرت وغیرہ بھی اخلاص، للّٰہیت اور اچھی نیت سے نہ ہوں بلکہ کسی غرض دنیوی یا

ریا و نمود کے لئے ہوں تو ان کی کوئی قدر و قیمت اللہ کے یہاں نہیں اور للّٰہیت واخلاص کے ساتھ ہر چھوٹی بڑی نیکی حتیٰ کہ زبان سے کوئی کلمہ خیر کہہ دینا اور راستوں سے کوئی معمولی تکلیف کی چیز ہٹا دینا بھی موجب اجر وثواب ہے۔اس لئے سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ آپ جس عظیم کام کے لئے آرہے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ آپ کی نیت تحصیل علم کے ذریعے اللہ کی رضا اور خوشنودی ہو اور کوئی مقصد یا ارادہ کارفرما نہ ہو۔

(۲) ڈھائی ماہ کی تعطیلات کے بعد طالب علم کا سب سے بڑا المیہ اس کا ذہنی انتشار ہوگا۔یکسوئی پیدا کرنا مشکل لگے گا۔سوشل میڈیا کی وبا اس زمانے کے طالب علم کا سب سے بڑا امتحان ہے۔انتشار ذہنی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔سوشل میڈیا کے استعمال کی ہزار دلیلوں کے باوجود اصل بات یہی ہے کہ یہ آپ کی ذہنی کیفیت، طالب علمی اور رسوخ فی العلم کے مقصد کے لیے زہرِ قاتل ہے۔اس سے جان چھڑائے بنا چارہ نہیں۔آغاز سال میں ہی ان تمام آلاتِ لہو ولعب سے کنارہ کش ہو کر حصولِ علم دین کے لئے خود کو تیار کرلیں۔

(۳) مدارس کے بہت سے طلبہ کے پیش نظر کوئی نصب العین نہیں ہوتا، بعض طلبہ اس لیے دینی تعلیم کا انتخاب کرتے ہیں کہ ان کے والدین کا اصرار ہوتا ہے، والدین چاہتے ہیں کہ بچہ حافظ بنے، عالم بنے، چونکہ ان کا اپنا کوئی مقصد نہیں ہوتا، اس لیے نہ انہیں پڑھنے سے کوئی رغبت، نہ ہی اوقات کی کوئی پابندی، نہ محنت، نہ جدوجہد، ایسے طلباء مدارس کو یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ قرآن وحدیث کے جس علم کے حصول میں وہ لگے ہوئے ہیں، اس کا نصب العین دنیا کے تمام کاموں سے بلند ہے، اس کے بلند اور مہتم بالشان ہونے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ طالبِ علم وراثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقدار ہوتا ہے، وہ انسانیت کی تقدیر بدل سکتا ہے، اسی سے ہدایت وروحانیت کے چشمے پھوٹتے ہیں، جس طالبِ علم کے ذہن میں دینی تعلیم کے اس عظیم مقصد کا استحضار ہوگا، وہ اپنی ساری توانائیوں کو علم کے لیے جھونک دے گا۔اکثر طلباء کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ فارغ ہونے کے بعد مسجد کی امامت یا کسی مدرسہ میں تدریس سے بڑھ کر ہم کیا کرسکتے ہیں۔

اس کے لیے ہمیں محنت کی کیا ضرورت ہے، یہی وہ احساسِ کمتری ہے جس نے طلبہ کی تمام قوائے عمل کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ خود کامیاب امام

یا کامیاب مدرس کا دارومدار پختہ صلاحیت پر ہے اور امت کو آج کامیاب اور باصلاحیت ائمہ اور مدرسین کی سخت ضرورت ہے، تقریر وخطاب اور نئے پیش آنے والے مسائل میں امت کی صحیح رہنمائی ٹھوس کتابی اور علمی صلاحیت کے بغیر ممکن نہیں، آج بھی مدارس میں کامیاب اساتذہ کی شدید ضرورت ہے، پھر اس سے بڑھ کر ایک قابل عالم دین مسجد یا مدرسہ سے ہٹ کر ساری امت کی مختلف میدانوں میں رہنمائی کرسکتا ہے۔

(۴) مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ "پا جا سراغِ زندگی" میں نئے تعلیمی سال کے آغاز پر فرماتے ہیں: ''آپ تاریخ کی شخصیتوں میں جس کا بھی نام لیں، جب آپ اس کی سیرت کا مطالعہ کریں گے اس کی زندگی کی تہہ تک جانے کی کوشش کریں گے، تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی ذاتی محنت، اس کی فکر ولگن، مقصد کی دھن اور اس کی تڑپ تھی، اس کے بغیر اگر اساتذہ چاہیں یا عظیم الشان ادارے اس کے لیے کوشش کریں، کسی کے بس میں کچھ نہیں، جو بھی بنا ہے اپنی ذاتی محنت اور جدوجہد سے بنا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اساتذہ کی رہنمائی کی بھی ضرورت ہے، لیکن اگر اللہ کی توفیق شاملِ حال ہے تو پھر ذاتی محنت سے انسان اپنے آپ کو سب کچھ بنا سکتا ہے'' (پا جا سراغِ زندگی) بعض طلبہ ذہنی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں، لیکن ذاتی محنت انہیں بڑے سے بڑے ذہین طلبہ کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ فرمایا: ''تم بہت کند ذہن تھے، مگر تمہاری کوشش اور مداومت نے تمھیں آگے بڑھا دیا'' اسی طرح امام طحاویؒ کے ماموں امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کو کند ذہن ہونے کی عار دلائی اور کہا: ''خدا کی قسم تجھ سے کچھ نہ ہوسکے گا'' امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ابوجعفر احمد بن ابی عمران حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہوگئے اور بڑی محنت سے علم حاصل کیا اور فقہ میں بڑی مہارت حاصل کی، انہیں ماموں نے پھر اس کند ذہن کو امام تسلیم کیا (بستان المحدثین بحوالہ آداب المتعلمین) حصولِ علم میں محنت کے سلسلہ میں ایک مقولہ علماء میں کافی مشہور ہے کہ: ''**العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه کلك**'' علم آپ کو اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے گا جب تک کہ تم پورے طور پر خود کو اس کے حوالہ نہ کرو، پچھلے زمانہ میں علماءِ سلف انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں جان توڑ محنت کرتے تھے، مدارس کی جانب سے آج کی طرح قیام وطعام ودیگر سہولیات کا تو تصور ہی نہ تھا، روشنی تک کا انتظام نہیں ہوا کرتا تھا۔ علم دین سے

سچی لگن اور نصب العین کی بلندی اس کسمپرسی اور زبوں حالی میں بھی ان کے پایہ استقلال میں لغزش نہیں لاتی تھی۔

(۵) مطالعہ طالبِ علمانہ زندگی کا نچوڑ اور اس کا ایک عنصر ہے، اسی سے اس کے علم کا نکھار ہے، اسی سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، پہلے چار سالوں میں طلبہ کو اگر درسی اور نصابی کتابوں پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے، تو اس کے بعد والے سالوں میں خارجی مطالعہ پر زور دینا چاہیے، ابتدائی سال کتابی صلاحیت میں پختگی پیدا کرنے کے ہوتے ہیں، ان میں تو طلبہ کو درسی کتابوں پر ہی توجہ دینی چاہیے، صرف ونحو میں استحکام اور عبارت خوانی میں کمال پیدا ہونے کے بعد اخیر کے سالوں میں جہاں طلبہ تفسیر وحدیث کے تفصیلی مضامین پڑھتے ہیں، متعلقہ فن کی غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کا اہتمام کرنا ناگزیر ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت کم سوتے تھے، اکثر حصہ مطالعہ میں گزارتے، بعض احباب نے کم خوابی کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا: ’’کیف أنام وقد نامت عیون المسلمین تو کلا علینا یقولون إذا وقع لنا أمر رفعناہ إلیہ، فیکشفہ لنا، فإذا نمت ففیہ تضییع الدین‘‘ ’’سب لوگ تو اس اطمینان پر سو رہے ہیں، کہ جب کوئی مسئلہ پیش آجائے گا تو ہم جا کر اس (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ) سے معلوم کرلیں گے، اب اگر میں بھی سوجاؤں اور دینی کتابوں کا مطالعہ نہ کروں تو اس میں دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے‘‘ (آداب المتعلمین)

آج کے طلبہ میں اوّل تو مطالعہ کا ذوق نہیں، اگر بعض میں کچھ رجحان ہے بھی تو ناقص، قرآن وحدیث اور فقہ وسیرت کی بنیادی معلومات بھی ناقص ہوتی ہیں، اس کی بنیادی وجہ ذوقِ مطالعہ کی کمی ہے، مدارس میں جس طرح تدریسی کتابوں کا نظام ہے، اسی طرح مطالعہ کی کتابوں کا بھی مستقل کورس ہونا چاہیے، مختلف درجوں کے اعتبار سے کتابیں متعین کی جائیں اور اس سلسلہ میں اساتذہ کی پوری سرپرستی حاصل رہے۔

اکثر طلبہ اپنے زیادہ اوقات درسی کتابوں کے مذاکرہ میں صرف کرتے ہیں اور انہیں شکایت ہوتی ہے کہ خارجی مطالعہ کے لیے وقت نہیں مل پاتا۔ یہ شکایت اوقات کی ترتیب وتنظیم نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، طلبہ کو مطالعہ اور دیگر علمی کاموں کے لیے نظام الاوقات بنالینا چاہئے، درسی کتابوں کے مذاکرہ کا وقت الگ ہو، خارجی کتابوں کے مطالعہ کا الگ ہو، مقالہ نگاری یا مضمون نویسی کا ایک وقت مقرر ہو، تقریر وخطابت کی تیاری کا الگ نظام ہو، اس طرح جب ہر کام کا وقت مقرر ہوگا تو اوقات میں غیر معمولی برکت ہوگی۔ جمعرات اور جمعہ کے

اوقات کو بھی بہترین مصرف میں لایا جاسکتا ہے۔

(٦) موجودہ دَور اختصاص (Specialization) کا دَور ہے، اس دَور میں وہی شخص اپنی افادیت ثابت کرسکتا ہے جو کسی فن میں مہارت رکھتا ہو، ایسے طلبہ کو ہر کتاب میں محنت کرنی چاہیے، تاہم جس فن سے ان کو خصوصی دلچسپی یا مناسبت ہو، دورانِ تعلیم ہی سے اس میں خصوصی محنت شروع کرنی چاہیے، متعلقہ اساتذہ کی نگرانی میں اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ فراغت تک فن سے غیر معمولی تعلق پیدا ہوجائے گا اور بعد میں مستقل اس کورس میں حصہ لینا بھی آسان ہوگا۔

عزیز طلبہ وطالبات! آپ نہ صرف اپنے والدین اور مسلک اہل حق کے لیے گراں مایہ اثاثہ ہیں بلکہ ملک وقوم کو بھی آپ کی اشد ضرورت ہے۔ دین پسند حلقوں اور خیر خواہان اسلام و پاکستان کی نظریں صرف اور صرف آپ پر ہیں۔ آپ ہی اس قوم کی ڈوبتی ناؤ کو پار لگا سکتے ہیں۔

اپنی اہمیت کا ادراک کیجیے۔ جدید دور کی مہارتوں سے خود کو مسلح کیجیے۔ رسوخ فی العلم کے ساتھ ساتھ معاشرے اور ابلاغ کی زبان پر عبور حاصل کیجیے۔ داعی کی سب سے پہلی صفت یہ ہونی چاہئے کہ اسے اپنے سامعین کی ذہنی سطح کا خوب اندازہ ہو اور وہ ان کی زبان اور مروجہ عصری اسلوب میں ان سے مخاطب ہونے کا ہنر جانتا ہو۔ نئے تعلیمی سال کے آغاز پر طلبہ اگر ان باتوں کو پلے باندھ لیں اور ان پر سختی سے عمل پیرا ہوں، تو بہت ممکن ہے کہ پورے سال کی صحیح قدر ہو اور بہت سی خامیوں کی اصلاح ہوجائے، یہ بات تجربے میں آئی ہے کہ سال کے آغاز پر طلبہ جو کچھ طے کرلیتے ہیں سال بھر اس کا اثر رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان وعمل میں برکت عطا فرمائے اور امت کے لئے نافع بنائے۔

والسلام

عبدالودود ربانی

مدیر مسؤل

درس قرآن

فتح مبین کا تذکرہ، نصر عزیز اور غفران عظیم کا وعدہ

مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

اعوذ باﷲ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا وَيَنصُرَكَ ٱللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ فِى قُلُوبِ ٱلْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوٓا۟ إِيمَٰنًا مَّعَ إِيمَٰنِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا لِّيُدْخِلَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّـَٔاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ ٱللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا

ترجمہ:

بیشک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرما دے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے اور اللہ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہو، اللہ وہی ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تا کہ ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے، اور اللہ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ

علیم ہے حکیم ہے، تاکہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادے۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

یہ سورۃ فتح کی ابتدائی آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے اس سورت میں فتح مبین کا اور صلح حدیبیہ کا اور فتح خیبر کا تذکرہ ہے اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توصیف اور تعریف ہے اس سورت کا ابتدائی حصہ سفر میں نازل ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ منورہ کے لیے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اس بات کا رنج تھا کہ عمرہ نہ کرسکے اس وقت سورۃ الفتح نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔ جب آپ نے ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ پڑھ کر سنائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مبارک ہو اس میں تو آپ کے بارے میں فرمایا کہ ایسا ایسا ہوگا سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا بنے گا اس کا بھی پتہ چلنا چاہیے اس پر آیت کریمہ ﴿لِیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ نازل ہوئی۔

(ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۱۸۸ ج ٤ وھو فی صحیح البخاری مختصرا ص ٦٠٠ ج ٢)

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سفر میں تھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ چل رہے تھے ایک روز رات کے وقت ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کچھ سوال کیا آپ نے جواب نہ دیا پھر سوال کیا آپ نے پھر خاموشی اختیار فرمائی پھر تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے نفس سے کہ تیری ماں تجھے گم کردے (پریشانی کے وقت اہل عرب اپنے بارے میں یہ کلمات بول دیا کرتے تھے) تو نے تین بار سوال کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیف میں ڈالا تین بار سوال کیا آپ نے

جواب نہیں دیا یہ سوچتے ہوئے میں جلدی سے اپنے اونٹ کو حرکت دے کر سب مسلمانوں سے آگے بڑھ گیا اور میں اس بات سے ڈرنے لگا کہ میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیات نازل نہ ہو جائے تھوڑی دیر میں ایک آواز سنی ایک شخص زور سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے عمر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ میں ڈرا کہ واقعتاً میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا کہ اس رات میں مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے پھر آپ نے ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاری ص ۶۶۰، ۷۱۶)

صلح حدیبیہ کا مفصل واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش مکہ نے بہت زیادہ تکلیفیں دی تھیں حتیٰ کہ آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ذی قعدہ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے اپنے پیچھے نمیلہ بن عبد اللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر روانہ ہو گئے، مدینہ منورہ کے رہنے والے اور آس پاس کے دیہات کے باشندوں کو بھی سفر میں ساتھ چلنے کے لیے فرمایا آپ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی، تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا مقصود ہے آپ اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لے گئے تھے (جو حج وعمرہ میں حرم مکہ میں ذبح کیے جاتے تھے) جب آپ مقام عسفان میں پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش مکہ کو آپ کی روانگی کا پتہ چل گیا ہے وہ مقام ذی طویٰ میں جمع ہو گئے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یہ عہد کر رہے ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے سواروں کو لے کر کراع الغمیم (ایک مقام کا نام ہے) میں پہنچ چکے ہیں آپ نے یہ سن کر راستہ بدل دیا اور داہنی ہاتھ کی طرف روانہ ہو گئے یہ باقاعدہ راستہ نہیں تھا گھاٹیاں تھیں دشوار گزار مقامات سے گزرنا پڑا یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ

گئے اور مقام حدیبیہ کے راستہ پر پڑ گئے، حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ہے حرم کے حدود وہاں ختم ہو جاتے ہیں (عسفان سے مکہ معظّمہ جاتے ہوئے حدیبیہ واقع نہیں ہوتا لیکن چونکہ قریش کے آڑے آجانے کا امکان تھا اس لیے آپ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گئے۔)

جب قریش کے سواروں کو پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ بدل دیا ہے تو واپس قریش کے پاس مکہ معظّمہ چلے گئے ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے وہاں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی صحابہ نے کہا یہ تو آگے بڑھنے سے ہٹ کرنے لگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہٹ کرنا اس کی عادت نہیں ہے اسے اسی ذات پاک نے روک دیا جس نے ہاتھی والوں کو مکہ معظّمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ قریش مکہ کے آڑے آجانے اور مکہ معظّمہ کے داخلہ میں رکاوٹ ڈالنے کا گمان تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آج قریش نے مجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جو صلہ رحمی کی بنیاد پر ہو تو میں اس میں اس کی موافقت کرلوں گا اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ اگر مجھے کسی بات کی دعوت دیں گے جس میں ان چیزوں کی حرمت کا مطالبہ ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے معظّم قرار دیا ہے تو ان کی بات مان لوں گا۔

حدیبیہ میں قیام تو فرمالیا لیکن وہاں پانی بہت ہی کم تھا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تو پانی نہیں ہے نہ وضو کر سکتے ہیں نہ پینے کا انتظام ہے بس یہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے پیالہ میں ہے آپ نے اپنا دست مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے، راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے پانی پیا وضو کیا کسی نے دریافت کیا کہ آپ حضرات کی کتنی تعداد تھی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ پندرہ سو تھے اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی سب کے لیے کافی ہو جاتا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں جو فتح کا ذکر ہے آپ لوگ اس سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں اور ہم بیعت رضوان کو فتح کا مصداق شمار کرتے تھے جو حدیبیہ کے موقعہ پر ہوئی ہم تعداد میں چودہ سو یا کچھ زیادہ تھے، حدیبیہ کے ایک کنوئیں میں تھوڑا سا پانی تھا ہم نے سارا

پانی کھینچ کر استعمال کرلیا اوراس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اوراس کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ اس میں سے نکالا ہوا ایک ڈول پانی لاؤ وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا آپ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے کہ وضوفرمایا اور کلی کی اوراس کنوئیں میں پانی ڈالا پھر فرمایا اسے کچھ دیر چھوڑ دو کچھ دیر کے بعد اس میں سے پانی لینا شروع کیا اور تمام حاضرین اپنی سواریوں سمیت سیراب ہو گئے) اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے چودہ سو سے اوپر جو افراد تھے ان کو بعض صحابہ نے پندرہ سو بتا دیا اور بعض نے چودہ سو بتا دیا کسر کا اعتبار نہیں کیا اوراس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ پیالہ میں دست مبارک رکھنے سے چشمے جاری ہو گئے اور کنوئیں میں بھی آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرمالیا تو قریش مکہ نے یکے بعد دیگرے بدیل بن ورقاء اور مکرز بن حفص اور حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپ نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں لڑائی لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت اور جانثاری

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت اور جانثاری دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضوفرماتے تھے جو پانی آپ کے اعضاء سے جدا ہوتا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اسے گرنے نہ دیتے تھے اور فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے جب آپ ریزش ڈالتے تھے اسے بھی جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور آپ کا اگر کوئی بال گرتا تو اسے بھی گرنے سے پہلے ہی اچک لیتے تھے، عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے واپس ہو کر قریش مکہ سے کہا کہ دیکھو میں کئی بار کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں (یہ تینوں بادشاہ تھے) میں نے کسی بادشاہ کے ایسے فرمانبردار نہیں دیکھے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ہیں اگر تم نے جنگ کی تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اب دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے؟۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم مکہ معظّمہ جاؤ وہاں قریش کو بتادو کہ ہم جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت پیش کر دی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں ان کا کتنا بڑا دشمن ہوں اور میرے قبیلہ بنی عدی میں سے وہاں ایسے افراد نہیں ہیں جو میری حفاظت کرسکیں میں آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں قریش کے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ معزز ہیں چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور دیگر اشراف قریش کے پاس بطور نمائندہ بھیج دیا تاکہ وہ قریش کو بتادیں کہ آپ جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لائے ہیں۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش مکہ کو پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں البتہ تم چاہو تو طواف کرسکتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں تنہا طواف نہیں کرسکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کریں گے تو میں بھی کروں گا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش مکہ نے روک لیا اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

بیعت رضوان کا واقعہ

جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اب ہم تو یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کرلی جائے چونکہ بظاہر جنگ لڑنے کی فضاء بن گئی تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لینا شروع کیا اور ایک شخص کے علاوہ آپ کے تمام اصحاب نے اس بات پر بیعت کرلی کہ ہم جم کر جنگ میں ساتھ دیں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ مکہ معظّمہ گئے ہوئے تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت کرلی اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی جو مقام حدیبیہ میں تھا اور اس کے بارے میں آیت کریمہ

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ نازل ہوئی۔

اس لیے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان معروف ہوگیا اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جانے لگا (شجرہ عربی میں درخت کو کہتے ہیں) اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط ہے لیکن اس خبر کی وجہ سے جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی اس کا ثواب مل گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا تمغہ بھی نصیب ہوگیا جسکا قرآن مجید میں اعلان ہوگیا جو رہتی دنیا تک برابر پڑھا جاتا رہے گا۔

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو گفتگو کرنے کے لیے بھیجا اور یوں کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو لیکن صلح میں اس سال عمرہ کرنے کی بات نہ آئے اگر ہم اس سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو عرب میں ہماری بدنامی ہوگی اور اہل عرب یوں کہیں گے کہ دیکھ لو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوت اور زور سے مکہ میں داخل ہوگئے۔ سہیل بن عمرو نے خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر لمبی گفتگو کی پھر آپس میں صلح کی شرطیں طے ہوگئیں۔ (صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ص ۳۷۷ ج اور راجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ ج ٤ تا ص ۲۰۳) جو انشاء اللہ عنقریب ذکر کی جائیں گی۔

صلح حدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرائط

صحیح بخاری ۳۷۱، ۳۸۲ اور صحیح مسلم ۱۰٤ ج ۲ میں ہے کہ حضرت علی (رض) صلح نامہ لکھنے لگے تو اس میں انہوں نے بطور عنوان لکھ دیا ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ، اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہم اس کو مانتے ہوتے تو آپ کو عمرہ کرنے سے کیوں روکتے؟۔

آپ محمد بن عبداللہ لکھیے آپ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں محمد بن عبداللہ بھی ہوں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لفظ ''رسول اللہ'' کو مٹا دو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں تو کبھی بھی آپ کی اس صفت کو نہیں مٹاؤں گا (یہ نافرمانی کی قسم نہیں ہے ناز و انداز کی بات ہے) اس کے بعد صلح نامہ کے شروع میں ھذا ما قاضی علیہ محمد بن عبداللہ لکھا گیا۔

صحیح مسلم ۱۰۵ ج ۲ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم اس پر سہل بن عمرو نے کہا کہ یہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم پہچانتے ہیں اور وہ باسمک اللّٰھُمَّ ہے (آپ نے اس کو بھی منظور فرمالیا۔) (کماذ کر النوری)

البدایہ والنہایہ ۱۶۸ ج ٤ میں صلح نامہ کا متن جو نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے:

هذا ما صالح علیه محمد بن عبد الله سهیل بن عمرو، اصطلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یأمن فیهن الناس ویکف بعضهم عن بعض، وعلیٰ انه من أتیٰ محمدًا من قریش بغیر اذن ولیه رده علیهم، ومن جاء قریشًا ممن مع محمد لم یردوه علیه، وان بیننا عیبة مکفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال، وانه من احب ان یدخل فی عقد محمد وعهده دخل فیه من احب ان یدخل فی عقد قریش وعهدهم دخل فیه وانك ترجع عامك هذا فلا تدخل علینا مکة، وانه اذا کان عام قابل خرجنا عنك فدخلتها باصحابك فاقمت بها ثلاثاً معك سلاح الراکب، السیوف فی القرب لا تدخلها لغیرها۔

ترجمہ: یہ وہ صلح نامہ ہے جس کی محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، ان باتوں پر صلح کی گئی۔

(۱) دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے، ان دس سالوں میں لوگ امن و امان سے رہیں گے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے رکے رہیں گے۔

(۲) قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آجائے گا اسے واپس کرنا ہوگا۔

(۳) اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

(٤) اور ایک یہ بات ہے کہ ہمارے درمیان گٹھڑی بندر ہے گی (یعنی آپس میں جنگ نہ کریں گے لڑائی والی بات کو گٹھڑی کی طرح باندھ کر ڈال دیں گے اور بعض حضرات نے گٹھڑی بندر کھنے کا یہ معنی بتایا ہے جو کچھ ہم نے صلح کی ہے یہ سچے دل سے ہے دل گٹھڑیوں کی طرح ہیں جن میں راز کی چیزیں رکھتی جاتی ہیں لہٰذا ہماری یہ گٹھڑی نہ کھلے گی) اور کوئی فریق دھوکہ یا خیانت کام نہ کرے گا۔

(٥) نہ کوئی ظاہری طور پر چوری کرے گا اور نہ خیانت کے طور پر کسی کو تکلیف دے گا (ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہر شرط کی پابندی کی جائے گی)

(٦) اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں داخل ہونا چاہے ہوسکتا ہے۔

(٧) اور جو جماعت قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے ہوسکتا ہے۔

(٨) آپ اس سال واپس ہوجائیں گے مکہ معظّمہ میں داخل نہ ہوں گے۔

(٩) اور آئندہ سال اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے لیے آئیں اس وقت مکہ معظّمہ میں داخل ہوں گے اور صرف تین دن رہیں گے۔

(١٠) اس وقت جب عمرہ کے لیے آئیں تو آپ کے ساتھ مختصر سے ہتھیار ہوں جنہیں مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے تلواریں نیاموں میں ہوں گی اس کا لحاظ کرتے ہوئے داخل ہوسکیں گے۔

جب یہ شرطیں لکھی گئیں تو شرط نمبر ٤ کے مطابق بنو خزاعہ نے اعلان کردیا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ہیں اور بنو بکر نے اعلان کردیا کہ ہم قریش کے عہد میں ہیں پھر یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بن گیا کیونکہ قریش مکہ نے بنو بکر کی مدد کردی جب بنو خزاعہ سے ان کی جنگ چھڑی معاہدہ کی جو شرطیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے بعض صحیح بخاری۔

(صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ص ٣٣٧ ج اور راجع معالم التنزیل ص ١٩٩ ص ٢٠٣ ج ٤) اور بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں اور بعض سنن ابی داؤد میں بھی مروی ہیں۔

❀❀❀

علماء وطلباء سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی باتیں

مفتی سمیع الرحمن

استاد و رفیق شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

عالم عرب کے معروف عالم دین صالح احمد شامی نے ملفوظات صحابہ کرام کا ایک مجموعہ "مواعظ الصحابہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس مجموعے میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منتخب ملفوظات ترجمہ وتشریح کے ساتھ پیش خدمت ہیں، جن کا براہ راست تعلق طلبا اور علمائے کرام کے طبقے سے ہے۔

طلباء کی صفات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب نوجوانوں کو طلب علم میں مشغول دیکھتے تو خوش ہو کر فرماتے:

مرحباً بينابيع الحكمة، ومصابيح الظلم، خلقان الثياب، جدد القلوب، حبس البيوت، ريحان كل قبيلة

اے حکمت ودانش کے چشمو! جہالت کے اندھیروں میں علم کے روشن چراغو! حصول علم کی کوششیں تمہیں مبارک ہوں، تمہارا لباس بوسیدہ، لیکن دل تروتازہ رہتا ہے۔ بے مقصد گھومنے پھرنے کے بجائے اپنی اقامت گاہوں تک محدود رہتے ہو، تم ہر قبیلے کے پھول ہو۔

فوائد: طلباء کو خوش آمدید کہنا چاہیے۔ اپنے رویوں سے انہیں دل برداشتہ کرنے کی بجائے ان کی نادانی پر صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے۔ مولانا فضل امام خیر آبادی 1242ھ/ 1824ء ہندوستان

کے معروف عالم گزرے ہیں۔ ان کے صاحب زادے فضل حق کا ایک واقعہ معروف ہے۔ ان کے پاس بڑی عمر کا ایک پٹھان طالب علم پڑھتا تھا، جو غبی اور کند ذہن تھا۔ مولانا کا عنفوان شباب تھا، تحمل اور بردباری کی کمی تھی۔ ایک دن پڑھاتے پڑھاتے تنگ آ کر غصے میں کتاب اس کے سر پر دے ماری، وہ منہ بسورتا ہوا ان کے والد مولانا فضل امام کے پاس گیا اور شکایت کی۔ وہ سیدھے درس گاہ میں آئے اور بیٹے کے سر پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ دستار فضیلت دور جا گری اور غصے میں فرمایا:

”تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز و نعم میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھ دی، اس نے خاطر داری سے پڑھایا۔

طالب علم کی قدر تو کیا جانے؟ اگر مسافرت اختیار کرتا، بھیک مانگتا، مسجدوں میں قیام کرتا اور طالب علم بنتا تو تجھ کو حقیقت معلوم ہوتی، طالب علم کی قدر ہم سے پوچھو“۔ (مثالی اساتذہ، مثالی طلباء، ص:41)

اس مادی دور میں مستقبل کے سہانے خوابوں کو فراموش کر کے دور دراز کے علاقوں، دشوار گزار راستوں کے سفر کی مشقتیں اٹھا کر کسمپرسی کے عالم میں علوم نبوت کو اپنے سینے سے لگانے والے مہمانان رسول کی عزت افزائی اور ان کے علمی افادے کو اپنا شرف سمجھنا چاہیے۔

طلبائے دین کو اپنی ظاہری شکل وصورت کی تزئین میں منہمک ہونے کی بجائے دل کی دنیا کو باطنی گندگی (تکبر، بغض، حسد، خود پسندی، قومی، لسانی، علاقائی تعصب اور عشق مجازی) سے پاک کرنے اور اخلاق حسنہ، تواضع، عاجزی، ادب، اخوت، ایثار سے سنوارنے کی کوششوں میں لگے رہنا چاہیے۔

بے مقصد گھومنے پھرنے اور تفریح میں پڑنے کے بجائے طالب علم کو اپنی فکر و نظر اور چلت پھرت کا محور محض ”علم“ کو بنانا چاہیے۔

حصول علم کا مقصد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تعلموا العلم، فإذا علمتم فاعملوا وقال: ویل لمن لا یعلم ولو شاء اللہ لعلمه، وویل لمن یعلم ثم لا یعمل سبع مرات“

علم دین حاصل کرو۔ جب حاصل کرلوتو اس پر عمل بھی کرو۔ پھر فرمایا: جاہل کے لیے ایک ہلاکت ہے اگر وہ جاہل ہی رہے اور اللہ چاہے تو اسے علم دے کر اس ہلاکت سے نکال بھی سکتا ہے، مگر جو شخص علم رکھنے کے باوجود عمل نہ کرے اس کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے۔

فائدہ: سات کا عدد محض کثرت کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کے لیے ہلاکتیں ہی ہلاکتیں ہیں، کیوں کہ بے عمل ہر لمحے رحمت الٰہی سے دور ہوتا جاتا ہے، لہذا مقصد علم، عمل ہونا چاہیے۔ علم برائے علم، یا علم برائے اسناد اور اسناد برائے ذریعہ معاش اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے۔ تصحیح نیت کے ساتھ تبعاً ان امور سے واسطہ پڑے تو کوئی حرج نہیں۔

علم سیکھنے سے آتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"

إن الرجل لا يولد عالما، وإن العلم بالتعلم "(العقد الفريد:2/73)

انسان ماں کے پیٹ سے عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا، علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔

فائدہ: علم کسی صاحب فضل وعلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے آتا ہے، کسی کی راہ نمائی کے بغیر علمی مدارج طے کرنے کے خواب دیکھنا احمقوں کا کام ہے۔ بعض اوقات طالب علم کی خود پسندی اور اس کا مصنوعی وقار اس کے تحصیل علم میں آڑ بن جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات علمی خانوادوں کے چشم وچراغ "پدرم سلطان بود" کے زعم میں مبتلا ہوکر علم وفضل سے محروم رہ جاتے ہیں۔ علمی استفادے کی لذت اس وقت تک حاصل نہیں کی جاسکتی جب تک طالب علم اپنا مصنوعی وقار اور خود پسندی کا لباس اتار نہ دے اور اصحاب علم سے استفادے میں کسی قسم کی جھجھک محسوس نہ کرے۔

علم بھولنے کی وجہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إني لأحسب الرجل ينسى العلم كان يعلمه لخطيئة يعملها

جو شخص علم دین کی کوئی چیز جاننے کے بعد بھول جائے، میرے خیال میں یہ اس کے کسی گناہ کا اثر ہے جو اس سے صادر ہوا ہے۔

فائدہ: بھول پن کے کئی مادی اسباب بھی ہو سکتے ہیں، جو انسان کو مختلف احوال میں لاحق ہوتے رہتے ہیں، لیکن اگر انسان کو دنیاوی دھندے تو نہ بھولنے پائیں، مگر علم دین کے وہ مسائل جنہیں وہ جان چکا تھا، بھول پن کا شکار ہو جائیں تو یقیناً یہ کسی گناہ کا ثمرۂ بد ہے، جو اس سے صادر ہوا ہے۔ یہی نسیان کا روحانی سبب ہے۔ علم دین کی حفاظت گناہوں سے محفوظ ہونے میں ہے۔

علم خشیت الٰہی کا نام ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لیس العلم بکثرۃ الروایۃ، ولکن العلم الخشیۃ

علم خشیت الٰہی کا نام ہے، نہ کہ کثرت روایات کا۔

فائدہ: ایک صحابی رسول کی فراست ایمانی کا اندازہ لگائیے۔ خیر القرون میں رہتے ہوئے انہوں نے جس علمی فتنے کی نشان دہی فرمائی ہے، آج اسے فتنہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

علم دین کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ معرفت الٰہی حاصل ہو، اس معرفت کے نتیجے میں انسان کا رواں رواں خشیت الٰہی میں ڈوب کر سراپا اطاعت بن جائے۔ خشیت معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور معرفت علم سے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو یہ معرفت سب سے مستند علم "وحی" سے براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس لیے ان میں خشیت الٰہی بھی بہ کمال پائی جاتی ہے۔

اس تعلق علم کی وجہ سے علمائے کرام کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ عالم اور لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"۔ (فاطر: 28)

جو علم انسان کو خشیت سے دوچار کرنے کے بجائے محض جستجو کے لیے مہمیز کا کام دے، اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

ایسا شخص قابل رحم ہے جس کی معلومات تو وسیع ہوں، مقالے، مضامین، علمی تحقیقات نوک قلم پر ہوں، ہر عہد کی کتابوں سے نام بہ نام واقفیت ہو، مگر دل خشیت الٰہی سے خالی ہو۔

ایک اضافی خوبی کے لیے حقیقی مقصد کو نظر انداز کر دینا، پانی کی تلاش میں سراب کے پیچھے جاں گنوانے کے مترادف ہے۔

علماء پر شہداء کا رشک

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"علیکم بالعلم قبل أن یرفع، ورفعه موت رواته، فو الذی نفسی بیده! لیودن رجال قتلوا فی سبیل الله شهداء أن یبعثهم الله علماء لما یرون من کرامتهم، فإن أحدا لم یولد عالما، وإنما العلم بالتعلم"

علم کو اس کے اٹھ جانے سے قبل ہی حاصل کر لو، اہل علم کا فوت ہو جانا ہی علم کا اٹھ جانا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے شہید ہو جانے والے لوگ جب اپنی آنکھوں سے علماء کی قدر و منزلت کا مشاہدہ کریں گے تو حسرت کریں گے کہ کاش! اللہ تعالیٰ انہیں بھی علماء کی صف میں اٹھاتا، کوئی شخص بھی عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا اور علم تو علم حاصل کرنے سے آتا ہے۔

فائدہ: اسلام کی سربلندی اور دفاع امت کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنا قابل قدر قربانی ہے، لیکن علمائے حق کی قربانیاں اپنے پہلو میں "افضل الجہاد" کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس مقدس جماعت کے افراد امت مسلمہ کی ایمانی دولت کے محافظ بن کر پوری زندگی شیطانی قوتوں سے نبرد آزما رہتے ہیں۔ میدان کارزار میں اترنے والا مسلح سپاہی دشمن کے ایک وار سے شہید حق کا تمغہ سجا لیتا ہے، مگر حق گو عالم

دین دشمنوں کی بھیڑ میں رہ کر صبح وشام اپنی آرزوؤں کا خون کر کے گلستان اسلام کی آب یاری کرتا رہتا ہے۔

نیز جہاد انسانوں کے حق میں سراپا رحمت بننے کے لیے آئین شریعت کا محتاج ہے۔ اگر جہاد آئین شریعت سے آزاد ہو جائے تو پھر صرف چنگیزیت رہ جاتی ہے۔ گویا جہاد کی بقا علم شریعت کی بقا پر موقوف ہے۔ اس سے فضیلت علم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم عمل کے لیے اترا ہے، نہ کہ محض پڑھنے کے لیے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أنزل القرآن ليعمل به، فاتخذتم دراسته عملا، وسيأتي قوم يثقفونه مثل القناة ليسوا بخياركم والعالم الذي لا يعمل كالمريض الذي يصف الدواء، وكالجائع الذي يصف لذائذ الأطعمة ولا يجدها. وفي مثله قوله تعالى: ﴿ولكم الويل مما تصفون﴾ (الأنبياء: 18)

قرآن کریم عمل کی غرض سے نازل کیا گیا ہے، لیکن تم نے اس کے نازل ہونے کا مقصد محض پڑھنا سمجھ لیا ہے۔ عنقریب ایسے لوگ آ کر رہیں گے جو قرآن کریم کے الفاظ کو نیزے کی طرح سیدھے کرنے کو مقصد زندگی سمجھ لیں گے۔

ایسے لوگوں کا شمار تمہارے اچھے لوگوں میں نہیں ہوگا۔ جو صاحب علم اپنے علم پر عمل نہ کرے اس کی مثال اس مریض کی طرح ہے جو مرض کی دوا بیان کرتا ہے، مگر خود اس سے شفا نہیں پاتا، یا اس بھوکے کی طرح ہے جو کھانوں کے ذائقے بیان کرتا ہے، مگر لذت دہن سے محروم رہتا ہے۔ ایسے بے عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولكم الويل مما تصفون﴾ تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لیے باعث خرابی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض عارفین کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ تجوید کے قواعد میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ قرآن کریم کی حقیقی روح "خشیت" پس پردہ چلی جاتی ہے۔ (الفوز الکبیر، ص:35)

اعترافِ جہالت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إن الذی یفتی الناس فی کل ما یستفتونه لمجنون وقال: جنة العالم "لا أدری"، فإن أخطأها فقد أصیبت مقاتله" (ال إحیاء: 1/ 91)

جو شخص ہر سوال کا دھڑلے سے جوب دیتا چلا جائے وہ بے وقوف ہے۔ پھر فرمایا: عالم کی ڈھال یہ کلمہ ہے: "مجھے معلوم نہیں"۔ پھر اگر کسی مسئلے سے ناواقف ہونے کے باوجود اعترافِ جہالت کرنے کے بجائے جواب دینے کی غلطی کر بیٹھا تو برباد ہوگیا۔

فائدہ: کسی مسئلے کا جواب انتہائی سوچ سمجھ کر اور صورت مسئلہ کو جان کر دینا چاہیے۔ اس لیے محتاط اہل علم پیچیدہ مسائل کا جواب تحریری صورت میں دیتے ہیں۔ اس میں خطا کا امکان کم ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان کی "انا" اعترافِ جہالت کے لیے آڑ بن جاتی ہے اور مسئلے کا جواب کسی قاعدے اور نظیر کو سامنے رکھ کر دے دیتا ہے، لیکن اس میں ٹھوکر کھاتا ہے، اس لیے جب تک یقینی مسئلہ معلوم نہ ہو، جواب سے گریز کرنا چاہیے۔ اس سے اعتماد بھی بڑھ جاتا ہے۔

عالم دین مسلسل نماز میں ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا یزال الفقیه یصلی" فقیہ ہمیشہ نماز میں ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: "ذکر اللہ تعالیٰ علیٰ قلبه ولسانه"

کہ اس کا دل اور اس کی زبان ذکر الٰہی سے معطر رہتے ہیں۔

فائدہ: یاد الٰہی اور حضوری ایک والہانہ ڈھنگ ہے۔ دینی مسائل کا تکرار، استحضار بھی درحقیقت اللہ کی یاد ہے، اس لیے اسے نماز سے تشبیہ دی ہے کہ فقیہ ہمیشہ یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔

❁❁❁

لہولہو فلسطین

مولانا محمد منصور احمد صاحب

گذشتہ دنوں غزہ، فلسطین میں اسرائیل کے انسانیت سوز مظالم کے بعد قبلہ ٔ اول، بیت المقدس اور فلسطین ایک مرتبہ پھر دنیا بھر کی نظروں کے سامنے آ گئے۔ تحریکِ جہادِ فلسطین کی داستان تقریباً ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے، جس سے آج ہماری نئی نسل بالکل ناواقف ہے۔ اہلِ فلسطین کی کہانی روشنائی سے نہیں اُن کے مقدس لہو سے لکھی گئی ہے۔ فلسطین کے ہر چپہ بھر زمین پر قربانیوں کی ایسی لازوال داستانیں نقش ہیں جس سے وہاں کے باشندوں کی جرأت غیرت اور استقامت کا پتہ چلتا ہے، فلسطین کے معصوم بچے، قابلِ عزت مائیں بہنیں اور جوان، بوڑھے سب ہی جس ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اُس کے بارے میں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو بزبانِ حال یہی کہہ سکتے ہیں:

؎ تم شہرِ اماں کے رہنے والے! درد ہمارا کیا جانو!

ساحل کی ہوا، تم موج صبا، طوفان کا دھارا کیا جانو!

بیت المقدس، مسجد اقصیٰ، قبلۂ اول، غزہ، فلسطین اور حماس۔ یہ سب وہ الفاظ ہیں جو آج کل ساری دنیا کی خبروں پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فلسطینی مسلمان اب تقریباً ایک صدی سے تکلیف اور آزمائش کی چکی میں پس رہے ہیں اور یہ دنیا کی وہ واحد قوم ہے جو خود اپنے ہی علاقے اور اپنے وطن میں مہاجروں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل اہلِ فلسطین کے ساتھ دھڑکتے ہیں اور وہ کسی بھی صورت اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ

تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں ۔ فلسطین کا غم ' امت مسلمہ کا مشترکہ غم ہے اور اہلِ فلسطین کا درد بھی سانجھا ہے ۔ ایک لمبا وقت گزر چکا ہے ' کئی نسلوں سے چلا آنے والا یہ المیہ آج بھی تازہ ہے ۔

اس موقع پر تُرکی کے صدر نے فلسطین کے معاملے صرف امت ' مسلمہ کی ترجمانی ہی نہیں کی بلکہ تاریخِ اسلام کی کئی بھولی بسری یادیں بھی تازہ کر دی ہیں ۔ یہ یادیں چونکہ یہود و نصاری کیلئے تو ہیں ہی سوہانِ روح ' ساتھ ساتھ عرب قوم پرستوں کو بھی یہ اچھی نہیں لگتیں ' اس لیے ان کو بھلا دیا گیا ہے ۔ قوم پرستی اور بت پرستی میں کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو ہی جڑ سے اکھیڑ پھینکا تھا ۔ ۴۹۲ھ میں اہلِ صلیب نے فلسطین پر جب اپنے خونی پنجے گاڑے تو موصل کے سلطان عماد الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے ۔ وہ بھی نسلی اعتبار سے ترک تھے ۔ وہ قحطان کی نسل سے تھے نہ ہی اُن کا نسب نامہ عدنان سے ملتا تھا ۔

وہ تو اسلام کے سدا بہار گلشن کے پھول تھے ۔ ۵۴۱ھ میں عماد الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے جام شہادت نوش کیا تو اُن کے صاحبزادے ' جو واقعی صاحبزادے کہلانے کے لائق تھے ' سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے آزادئ فلسطین کا پرچم بلند کیا ۔ اس سلسلے میں انہوں نے اتنی سختیاں جھیلیں ' مشقتوں کا سامنا کیا ' تلخ گھونٹ پیے اور مشکلات کا سفر طے کیا کہ لوگ اُنہیں چھٹا خلیفہ راشد کہنے لگے نور الدین رحمۃ اللہ علیہ دمشق (شام) تک تو جا پہنچے لیکن القدس کے اس بیٹے کا دل مسجد اقصیٰ میں ہی اٹکا ہوا تھا ۔ ۵۶۹ھ میں جب یہ بھی لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہوئے تو یہ پرچم سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے تھام لیا ۔ یہ نسلی اعتبار سے کُرد تھے اور کوئی شک نہیں کہ سلطان جیسے لوگ صدیوں میں جنم لیتے ہیں اور مائیں ایسے بچے بہت کم جنا کرتی ہیں ۔

تاریخ اسلام کے اس عظیم جرنیل کی تعریف اس کے بدترین مخالف بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کی تو حالت یہ ہے کہ ان کا نام آتے ہی آنکھوں میں نور اور دل میں سرور اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔ ۵۷۰ھ مطابق ۱۱۷۴ء میں صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دمشق میں داخل ہو کر مسلمانوں کو اس

پرچم تلے متحد کیا۔ پھر جو پے در پے معرکے شروع ہوئے تو ۲۵/ربیع الثانی ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء کو ''حطین'' کے مقام پر سلطان نے صلیب پرستوں کو ایسی فیصلہ کن شکست سے دوچار کیا کہ اب اُس کے اور القدس کے درمیان کوئی قابلِ ذکر رکاوٹ نہیں تھی۔ اسلامی لشکر سروں پر عزت کے تاج رکھے' فتح کے پرچم لہراتا ہوا، ۲۷/رجب المرجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس میں داخل ہوا۔

اُس دن پورے عالم اسلام میں شکرانے کے نفل ادا کیے گئے اور اہلِ ایمان نے ہر طرح اپنی خوشیوں کا اظہار کیا۔ تاریخ کا پہیہ ذرا آگے گھوما تو ۶۴۱ھ کو ملک کامل نے القدس فرنگی بادشاہ انبرٹن کے حوالے کیا تو سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے اگلے ہی برس دوبارہ اسے واپس چھین لیا۔ اس مرتبہ ان کے لشکر میں بہت بڑی تعداد خوارزمیوں کی تھی' جو عرب کے باشندے تھے نہ گلشن عرب کے پھول۔ وہ تو اسلام کے سپاہی تھے۔ ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء کو تاتاری لشکر کے ہاتھوں دارالخلافہ بغداد تباہ و برباد ہو گیا۔ تب ظاہر بیبرس اور ملک مظفر مسلمانوں کیلئے امید کی کرن بن کر طلوع ہوئے۔ ۶۵۸ھ کو ''عین جالوت'' کے مقام پر اس کے یہ فدائی ٹکرائے اور انہوں نے تاتاریوں کے ٹڈی دل لشکر کو تتر بتر اور تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس عظیم فتح پر ملک مظفر، اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر ادا کرنے کیلئے اپنے گھوڑے کی پشت سے زمین پر آ گرا۔

یاد رہے کہ یہ دونوں بھی نسلی اعتبار سے عرب نہیں تھے۔ ہاں وہ شریف مکہ حسین ضرور عرب تھا' جسے برطانیہ نے عرب کی بادشاہت کا لالچ دیا تو اُس نے امت مسلمہ کے دل میں خنجر اتارتے ہوئے خلافت عثمانیہ' ترکی سے بغاوت کر دی۔ حالانکہ فلسطین چار صدیوں تک (۱۵۱۶ء تا ۱۹۱۸ئ) اس کے زیر سایۂ دین اسلام کی پیاری مہک میں بغیر کسی انتشار اور خلفشار کے پھلتا پھولتا رہا تھا۔ یہ وہ ہی شریف مکہ ہے' جس کا تذکرہ آپ کو بکثرت' حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اسیر مالٹا'' میں ملے گا۔ اس نے برطانیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پاک باز ساتھیوں کو گرفتار کر کے برطانیہ کے حوالے کیا تھا اور انگریزی

حکومت نے انہیں پہلے مصر اور پھر جزیرہ مالٹا منتقل کر دیا جہاں یہ حضرات تین سال دو ماہ قید رہے۔ ایک عجیب ستم بھرا اتفاق ملاحظہ فرمائیں کہ اس شریفِ مکہ کو بھی اپنے سادات میں سے ہونے پر بڑا فخر تھا اور ایک ہمارا سابق کمانڈو غدار صدر بھی اپنے آپ کو سید کہلاتا رہا لیکن دونوں اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب امتیوں کو پکڑ پکڑ کر کفار کے ہاتھوں بیچتے رہے اور ماہِ جولائی میں اسی درندے کے ہاتھوں پیش آنے والے سانحۂ لال مسجد کو تو صدیوں نہیں بھلایا جا سکتا۔ بات آئے القدس کے بیٹوں کی اور اُس میں خلافت عثمانیہ ترکی کے آخری تاجدار سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہ آئے۔

وہ عظیم ہستی جو دنیا سے اس مظلومیت کے ساتھ گئی کہ مسلمانوں نے بھی اُنہیں ڈکٹیٹر، ظالم اور لالچی کے القابات دیئے اور غیبت کرنے والوں کی زبانیں اور قلم آج تک اُن کا گوشت نوچ رہے ہیں۔ اُن کی وفات اور خلافت عثمانیہ کے اختتام کے بعد جب مشہور یہودی لیڈر ہرتزل کی ڈائری شائع ہوئی تو پتہ چلا کہ سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کو دراصل کس جرم کی سزا دی گئی تھی اور وہ تو فلسطین کے اُن عاشقوں میں سے جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ، چراغِ رخِ زیبا لے کر

یہودیوں کے اپنے اعترافات کے مطابق سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ سے یہودیوں کے رابطوں کی ابتدا ۱۸۸۲ء سے ہوئی جب ''صہیون دوست تنظیم'' نے اودیسا (روس) میں عثمانی قونصل کے سامنے فلسطین میں قیام کی اجازت کے لئے درخواست پیش کی۔ چنانچہ اس درخواست پر سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کا جواب یہ تھا: ''ساری سلطنت عثمانیہ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ترکی کی جانب ہجرت کرنے کے خواہش مند یہودیوں کو فلسطین میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی جائے''۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے جذبے کو اور مہمیز ملی اور انہوں نے وفد پر وفد سلطان کی خدمت میں بھیجنا شروع کئے مگر سلطان کی جانب سے انکار کے سوا کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ امریکی سفیر نے مداخلت کی تو سلطان

نے کہا: ’’جب تک سلطنت عثمانیہ قائم ہے میں یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا‘‘- پال کانگریس کے بعد صہیونی تحریک میں تیزی آگئی جس نے سلطان کو ۱۹۰۰ء میں وہ مشہور حکم جاری کرنے پر مجبور کردیا جو استانبول میں موجود ساری دنیا کے سفیروں کو پہنچایا گیا- اس حکم کے تحت یہودی زائرین کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ فلسطین میں صرف تین ماہ قیام کر سکتے ہیں اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نقطہ دخول (انٹری پوائنٹ) ’’بندرگاہ باب عالی‘‘ پر اپنے پاسپورٹ سرکاری کارندوں کے حوالے کردیں اس مدت سے زیادہ مدت قیام کرنے والے کو زبردستی نکالا جائے گا-

سلطان نے یہودیوں کیلئے ’’سرخ پاسپورٹ‘‘ بھی جاری کیا تاکہ ان کو نکالنے میں آسانی ہو، اس وجہ سے جب یہودیوں کو قوت ملی تو انہوں نے سفارتی پاسپورٹ کا رنگ سرخ کردیا- اس پاسپورٹ کے حامل افراد کو بین الاقوامی ہوائی اڈوں پر نہیں جانچا جاتا- ۱۹۰۱ء میں سلطان کے ایک حکم کے ذریعے یہودیوں کو فلسطین کی ایک چپہ زمین بھی خریدنے سے منع کردیا- ہرتزل مایوس نہیں ہوا- ۱۹۰۲ء میں ’’قراصو‘‘ کے ہمراہ ایک وفد اور نہایت قیمتی تحائف لے کر سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گیا مگر سلطان نے ملاقات سے انکار کردیا- چنانچہ سارے تحائف ان کے وزیر اعظم تحسین پاشا کے حوالے کردیئے- سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کیلئے جو بیش بہا تحفے یہودیوں کی طرف سے لائے گئے تھے، اُن کی تفصیل یہ ہے

۱:۔سلطان کی جیب خاص کے لئے پندرہ کروڑ انگریزی پاؤنڈ (۱۵۰ ملین)-

۲:۔سلطنت عثمانیہ کی تمام قرضوں کی ادائیگی کی ذمہ داری ان قرضوں کی مقدار تین کروڑ تیس لاکھ انگریزی اشرفیوں کے برابر تھی- (۳۳ ملین)

۳:۔سلطنت عثمانیہ کے دفاع کے لئے بحری بیڑے کی تعمیر جس پر لاگت کا اندازہ دس کروڑ بیس لاکھ سنہری فرانک تھا- (۱۲۰ ملین فرانک)

۴:۔۔۔۔بیت المقدس میں عثمانی یونی ورسٹی کی تعمیر

۵:۔۔۔ ملک کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لئے تین کروڑ پانچ لاکھ گولڈن پاؤنڈ کی بطور قرض حسنہ فراہمی۔ (۳۵ ملین) جیسا کہ خود ہرتزل کی ڈائری میں موجود ہے کہ ان ساری پیشکشوں کے جواب میں سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''ڈاکٹر ہرتزل کو نصیحت کرو کہ آئندہ اس موضوع پر سنجیدگی سے کوئی قدم نہ اٹھائے میں اس سرزمین کے ایک بالشت سے بھی دستبردار نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ سرزمین میری ذاتی ملکیت نہیں بلکہ یہ ساری عوام کی ہے۔

میری عوام نے اس کے حصول کے لئے جنگیں لڑی ہیں اور اسے اپنے خون سے سینچا ہے یہودی اپنے کروڑوں پاؤنڈ اپنے پاس رکھیں جس دن میری سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں گے وہ فلسطین کی سرزمین مفت میں حاصل کرسکیں گے۔ جب تک میں زندہ ہوں مجھے اپنے جسم کے ٹکڑوں کو دیکھنا فلسطین کو سلطنت عثمانیہ سے الگ دیکھنے سے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے، یہ معاملہ نہ ہوسکے گا۔ میں جیتے جی اپنے جسم کی جراحی اور چیر پھاڑ کی اجازت نہیں دے سکتا''۔ دین، سرزمین، خون اور عزت کی حفاظت پر بڑی لاگت آتی ہے، وقت کے چیلنجوں اور دشمنوں کی دھمکیوں کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے لوگ ہی کھڑے رہ سکتے ہیں۔ وہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی کو تھامے ہوئے ہیں، جو اپنے ایمان کو دنیا کی حقیر متاع سے بلند سمجھتے ہیں اور جو اپنے یقین کی قوت سے ہر طاغوت اور ظالم کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

اس ملاقات کے بعد یہودیوں نے سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے محروم کردینے کا پکا عزم کرلیا اور قراصو نے سلطان کے نام تار دیا کہ ''تمہیں اپنی اس ملاقات کی قیمت اپنی جان اور تخت کی صورت میں ادا کرنا پڑے گی'' چنانچہ سلطان رحمۃ اللہ علیہ کے اس تخت کو بارود بھری گاڑی کے دھماکے سے تباہ کرنے کی کوشش کی جس پر وہ جمعہ کی نماز ادا کیا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا اس کے بعد ''فری میسن'' (آزاد معمار) یہودی تنظیم کے ذریعے افسروں اور بڑے سرکاری ملازمین سے رابطے شروع کئے اور جگہ جگہ فری میسن کی انجمنیں قائم کیں سالونیک پر خصوصی توجہ دی گئی، ان انجمنوں

کے ذریعے دستور کے اعلان کا مطالبہ کیا، جس کا مطلب ''یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے برابر'' قرار دلانا تھا- فوج کے بعض یونٹوں نے حرکت کی اور ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کو سلطان کو دستور کے اعلان پر مجبور کر دیا، اس کے بعد ایسے نمائندگان کا انتخاب ہوا جس میں ''فری میسن'' کی انجمنوں میں پروان چڑھنے والے یہودی اور عیسائی بھی شامل ہو گئے، اور صرف نو ماہ کی قلیل مدت میں ۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو ترکی کے روشن خیالوں کے ہاتھوں سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کو تخت سے اتار دیا گیا، جس دن سلطان عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ کو تخت سے اتارا گیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دن دو عظیم حادثے رونما ہوئے

۱:۔۔۔ایک عظیم اسلامی مملکت اور مسلمانوں کی عالمی اور اجتماعی پناہ گاہ کا خاتمہ۔

۲:۔۔۔یہودیوں کے ہاتھوں فلسطین کا سقوط سلطان کی تخت سے محرومی گزشتہ صدی کے شروع میں اسلام پر سب سے کاری ضرب تھیبظاہر کتنی عجیب بات لگتی ہے کہ ایک ترک اپنی جان اور سلطنت قربان کر کے فلسطین کا دفاع کر رہا ہے اور ایک عرب حرص و لالچ کے ہاتھوں دھوکہ کھا کر فلسطین یہود و نصاری کے حوالے کرنے کا راستہ ہموار کر رہا ہے لیکن یہ تو تاریخ میں ہمیشہ ہی ہوتا آیا ہے۔ ایک طرف وفادار ہیں تو دوسری طرف دوکاندار' ایک طرف سرفروش ہیں تو دوسری طرف ضمیر فروش' ایک طرف اسلام کی خاطر جان و مال لٹانے والے ہیں تو دوسری طرف دنیا کے چند حقیر ٹکوں کی خاطر اپنی قوم' اپنا وطن اور اپنا دین سب کچھ گنوانے والے۔

اسرائیل، فلسطینی مسلمانوں کا قاتل ہے اور امریکہ اسرائیل کا سب سے بڑا سرپرست اور معاون' لیکن عرب اور غیر عرب مسلم ممالک بھی اسرائیل کو اپنا دشمن' لیکن امریکہ کو اپنا دوست کہتے ہیں۔ ایسے میں اہلِ فلسطین کو آزادی ملے تو کیونکر؟ آج تو مسجدِ اقصیٰ کسی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی منتظر ہے جو اُسے اہلِ صلیب کے ناپاک قدموں سے پاک کر سکے۔

❁❁❁

حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ

مولانا ڈاکٹر محمد جہان یعقوب

سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ ان ہزاروں انسانوں میں سے ایک ایسا نوجوان تھا، جو سردارانِ قریش کی دعوت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی اور عاشق حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے آیا تھا، جن کو قریش نے دھوکے سے گرفتار کرلیا تھا۔ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی بھرپور جوانی کے بل پر لوگوں کو دھکیلتا ہوا اور اپنا راستا بناتا ہوا ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ جیسے قریشی سرداروں کے پہلو میں جا کھڑا ہوا، جو اِس مجمع میں نمایاں مقام پر کھڑے تھے۔ اِس طرح سعید بن عامر کو اس بات کا موقع ملا کہ وہ اس سارے منظر کو اچھی طرح دیکھ سکے۔

سعید رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ قریش کی عورتیں، بچے اور جوان؛ سب زنجیروں میں جکڑے قیدی کو دھکیلتے ہوئے موت کے میدان کی طرف لا رہے تھے، تاکہ اُسے قتل کرکے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے انتقام لے سکیں اور غزوۂ بدر میں مارے جانے والے اپنے رشتے داروں کا بدلہ چکا سکیں۔ جب یہ لوگ قیدی کو دھکیلتے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں اسے قتل کیا جانا تھا تو سعید بن عامر رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے نکل کر کچھ اور آگے بڑھ گیا، تاکہ قریب سے قیدی کو دیکھ سکے۔ اُس نے عورتوں اور بچوں کے شور اور چیخ پکار میں قیدی (حضرت خبیب رضی اللہ عنہ) کو دیکھا تو اُن کے چہرے سے بلا کا اطمینان ٹپک رہا تھا اور کسی قسم کے ڈر، خوف، افسوس و پشیمانی اور بے چینی واضطراب کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اِس حالت کو دیکھ کر سعید بن عامر کے دل میں ایک عجیب سے احساس نے جنم لیا جسے وہ فوری طور پہ سمجھ نہ سکا۔ پھر

اُس نے مجمع کے شور میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی پرسکون اور گونجتی ہوئی آواز سنی وہ کہہ رہے تھے: اگر تم لوگ چاہو تو قتل سے پہلے مجھے اتنی مہلت دے دو کہ اپنے رب کے حضور دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ چناں چہ اُنھیں مہلت دے دی گئی۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قبلہ رُخ ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اِس کے بعد سرداروں کی طرف رخ کر کے بولے: اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے متعلق اِس بدگمانی میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ میں موت کے ڈر سے نماز لمبی پڑھ رہا ہوں تو میں اطمینان کے ساتھ اور لمبی نماز پڑھتا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اِس طرح محبت کا اِظہار، اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بے خوفی؛ سعید کے دل پر اپنا اثر دکھا رہی تھی اور وہ یہ سب دیکھ اور سن کر دل ہی دل میں بے چین ہو رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر جوش اور غصے میں آ کر آپ پر حملہ کر دیا اور تلوار اور نیزوں کے وار کیے، جس سے آپ کا سارا جسم زخمی ہو گیا اور اس سے تیزی سے خون بہنے لگا۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر مشرک سرداروں نے آپ سے کہا: کیا تم اِس بات کو پسند کرو گے کہ اِس وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری جگہ یہاں ہوتے اور تم اِس تکلیف اور مصیبت سے نجات پا جاتے؟ سعید بن عامر، خبیب رضی اللہ عنہ کا جواب سننے کے لیے مزید آگے بڑھا اور اس نے آپ کی بے خوف، پرسکون اور پرجوش آواز سنی، حالاں کہ اُس وقت جسم سے بے تحاشا خون بہہ جانے کی وجہ سے آپ اپنے جسم کو سنبھال بھی نہ پا رہے تھے۔ سعید کو گونجتی ہوئی آواز میں جواب سنائی دیا، آپ رضی اللہ عنہ کہہ رہتے تھے: اللہ کی قسم! مجھے تو اتنا بھی گوارا نہیں کہ میں امن وسکون کے ساتھ گھر میں اپنے اہل وعیال میں رہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ یہ جواب سنتے ہی مجمع میں شور اٹھا۔ لوگ چیخ چیخ کر کہنے لگے: مار ڈالو اِسے۔ قتل کر دو اِسے۔ پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے ہتھیار لے کر آپ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور زندہ ہی آپ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے الگ کر دیے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اس منظر کے ساتھ

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آواز اور آخری الفاظ سنے، وہ کہہ رہے تھے۔ اے اللہ! اِن کفار کو ایک ایک کر کے گن، انھیں تباہی کا مزا چکھا اور اِن میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ۔ پھر انھوں نے آخری سانس لی اور شہید ہو گئے۔ رضي اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ!

اِس کے بعد قریش کے لوگ مکہ شہر لوٹ آئے واقعات کے ہجوم نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ دلوں سے بھلا دیا۔ لیکن نوجوان سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مظلومیت اور اُن کے دردناک قتل کے اس تکلیف دہ منظر کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنے ذہن سے نہ بھلا سکا۔ وہ سوتا تو بھی وہ دردناک منظر دیکھتا اور جب ان کے آخری الفاظ سنتا تو خوف زدہ اور بے چین ہو کر اٹھ جاتا۔ دن میں جاگتا تو خیالات کا دھارا اسی منظر اور انہی الفاظ کے گرد گھومتا رہتا، کبھی وہ چشم تصور سے دیکھتا کہ وہ دو رکعت نماز ادا کر رہے ہیں، کبھی دیکھتا کہ زندہ ان کے جسم کے ٹکڑے کیے جا رہے ہیں، کبھی دیکھتا کہ آپ بڑے جوش کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کر رہے ہیں؛ اور جب سعید کو آپ کے آخری الفاظ اور قریش کے لیے بددعا یاد آتی تو اس کے پورے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، اسے یوں محسوس ہوتا کہ ابھی آسمان سے کوئی بجلی گرے گی اور اسے بھسم کر دے گی، یا کوئی چٹان اس پر گر پڑے گی ...... پھر یہ کیفیت آہستہ آہستہ بدلی اور وہ سوچنے لگا...... کہ وہ شخصیت جس کے ساتھی اُس سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کرتے اور اتنی زبردست عقیدت رکھتے ہیں، واقعی وہ سچا اور برحق نبی ہے۔ اس کا دین بھی سچا اور برحق ہے۔ اور اس نبی کو حقیقتاً آسمانی مدد حاصل ہے۔ جب یہ کیفیت دل میں پیدا ہوئی تو اللہ رب العزت نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے دل کو اسلام کے لیے کھول دیا۔ وہ قریش کی مجلس میں پہنچا اور وہاں کھڑے ہو کر قریش اور ان کے گناہوں سے اپنی لاتعلقی ونفرت اور ان کے جھوٹے خداؤں سے اپنی بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ واضح رہے کہ حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو کسی نے باقاعدہ اسلام کی دعوت نہیں دی تھی، بلکہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت اُن کے اسلام میں داخلے اور ہدایت کا ذریعہ بنی۔

وقت کی قدر اہل علم کی نظر میں

ابن الحسن عباسیؒ

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے کشکول زندگی ''صید الخاطر'' اور ابن مفلح حنبلی اپنی تصنیف ''آداب شرعیہ'' میں وقت کی قدر و قیمت کے متعلق لکھتے ہیں:

وقت کو ضائع ہونے سے تب بچایا جاسکتا ہے جب دل میں اس کی اہمیت کا احساس ہو، انسان کو چاہئے کہ ایک نظام الاوقات بنائے اور اس میں کاموں کی ترتیب "الأهم فالأهم" کے اصول کے مطابق رکھے، ہمارے اسلاف عمر عزیز کے قیمتی لمحات کے بڑے قدردان تھے........ مشہور تابعی عامر بن عبدالقیس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے ایک مرتبہ کسی نے کوئی بات کرنی چاہی تو وہ فرمانے لگے: سورج کی گردش روک دو تو تم سے بات کرنے کے لئے وقت نکال لوں۔"

لایعنی لوگوں سے اللہ کی پناہ!

میں نے لوگوں کو عجیب غفلت و لاپرواہی سے وقت ضائع کرتے دیکھا ہے، انہیں رات کو اگر فرصت مل جائے تو بے فائدہ باتیں شروع کر دیتے ہیں اور اگر دن کو کوئی فارغ وقت میسر آجائے تو سو جاتے ہیں، میں بے مقصد اور لایعنی قسم کے لوگوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، کئی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ میل جول ان کی عادت بن گیا ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ لایعنی میل ملاپ خدمت خلق ہے، طویل طویل مجلسیں قائم کر کے بے فائدہ گفتگو میں محو رہتے ہیں، جس میں غیبت وغیرہ کا شامل ہو جانا ایک لازمی امر ہے یہ چیز ہمارے زمانہ میں بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ جس سے لوگ ملنے جاتے ہیں بسا

اوقات اس کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ مجلس دیر تک جمی رہے کہ بیچارا تنہائی سے اکتا گیا ہوتا ہے۔ بالخصوص تہنیت اور عیادت وغیرہ کے موقعوں پر جب لوگ ایک دوسرے کے ہاں جاتے ہیں تو صرف سلام اور مبارک کہنے پر اکتفا ہی نہیں کرتے تا آنکہ غیر مفید بحثوں میں وقت ضائع نہ کرلیں۔

وقت بچانے کی ایک صورت!

"چونکہ وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے، اچھے اور صالح کاموں میں وقت صرف کرنا ایک لازمی امر ہے، اس لئے مجھے لوگوں کا یہ بے فائدہ میل جول بالکل پسند نہیں، اب میرے سامنے ایک صورت تو یہ تھی کہ میں لوگوں سے بالکل الگ تھلک رہتا، تو یہ صورت بھی مناسب نہیں تھی کہ اس سے انس ومحبت کا تعلق یکسر ختم ہو جاتا، دوسری صورت یہ تھی کہ ان کے ساتھ میں بھی لایعنی ملاقاتوں کا سلسلہ قائم رکھتا، ظاہر ہے اس میں وقت کا ضیاع اور نقصان تھا، اس لئے میں نے ایک تیسری صورت اختیار کی کہ اول تو کسی کے ساتھ ملنے سے بچنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہوں تاہم اگر کسی سے ملے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو کلام میں نہایت اختصار سے کام لیتا ہوں، نیز ملاقات کے ان اوقات کے لئے ایسے ہلکے پھلکے کام چھوڑ رکھتا ہوں جن میں زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت نہیں پڑتی، مثلاً قلم کا قط لگانا، کان کاٹا اور اس قسم کے دوسرے کام، میں ان اوقات میں کرتا ہوں.......تاکہ یہ اوقات صرف باتوں ہی میں ضائع نہ ہوں۔

وقت کی قدر بڑے نصیب کی بات ہے!

بہت سے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ انہیں اپنی زندگی کا کوئی ہدف اور مقصد معلوم ہی نہیں، بعض کو اللہ نے دولت دے رکھی ہے تو بازاروں میں بیٹھے لوگوں کو دیکھ دیکھ کر وقت گزارتے ہیں، کچھ شطرنج وغیرہ کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو سلاطین و بادشاہوں کے بے فائدہ، من گھڑت قصے اور حکایات سننے کا مشغلہ اختیار کر کے زندگی ضائع کرتے ہیں۔ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وقت کی قدر اور زندگی کی اہمیت کا احساس اللہ کا ایک انعام ہے اور یہ انعام ہر کسی کو نہیں ملتا، وہ جسے چاہیں عطا کر دیں کہ یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے اور بڑے نصیب کی

بات ہے، اللہ جل شانہٗ ہمیں وقت کی قدر اور اس کی اہمیت کا احساس عطا فرمائیں! آمین۔

وقت کے بارے میں اسلاف کی احتیاط!

علمائے سلف اپنے وقت کے بارے میں بڑے محتاط تھے، وقت کے ضائع ہونے کا انہیں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا کسی بزرگ سے چند لوگ ملاقات کے لئے گئے، ملاقات کے آخر میں انہوں نے ان بزرگ سے معذرت کے طور پر کہا ''شاید ہم نے آپ کو اصل کام سے ہٹا کر مشغول کر دیا وہ بزرگ فرمانے لگے ''تم ٹھیک کہتے ہو، میں پڑھنے میں مصروف تھا، آپ لوگوں کی وجہ سے میں نے پڑھنا چھوڑ دیا۔'' چند لوگ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے، جب مجلس انہوں نے طویل کی اور کافی دیر تک نہیں اٹھے تو حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ان سے فرمانے گے إن ملك الشمس لا يفتر عن سوقها فمتى تريدون القيام نظام شمسی چلانے والا فرشتہ تھکا نہیں اس کی گردش جاری اور وقت گزر رہا ہے آپ لوگوں کے اٹھنے کا کب ارادہ ہے؟۔

داؤد طائی روٹی کے بجائے چورہ استعمال کرتے تھے، فرماتے تھے، دونوں کے استعمال میں کافی تفاوت ہے روٹی کھاتے چباتے کافی وقت لگ جاتا ہے جب کہ چورے کے استعمال سے نسبت آتا وقت بچ نکل آتا ہے کہ اس میں پچاس آیات تلاوت کی جاسکتی ہیں۔ عثمان باقلانی ہمیشہ ذکر میں مصروف رہے تھے، فرماتے تھے: ''چونکہ کھاتے وقت ذکر نہیں ہوسکتا اس لئے جب میں کھانے مشغول ہوجاتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری روح نکل رہی ہو'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: من قال سبحان الله وبحمده غرست له بها نخلة''

جو شخص ایک مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کہے گا اس کے عوض اس شخص کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت اگا دیا جائے گا

ذرا اندازہ کیجئے! زندگی کی کتنی قیمتی گھڑیاں ایسی ہیں جو انسان ضائع کر دیتا ہے اور اتنے عظیم اجر و ثواب سے محروم رہتا ہے۔ دنیا کے یہ ایام آخرت کے لئے کھیتی کا درجہ رکھتے ہیں، کون ہے

ایسا جس میں عقل ہو کہ اپنی کشت میں بیج نہ بوئے یا کاہلی وسستی سے کام لے۔اس لئے ضرورت ہی کے تحت لوگوں سے ملا جائے، عام حالات میں صرف علیک سلیک پر اکتفا کیا جائے، زیادہ میل جول ترک کر کے خلوت اور کنج تنہائی وقت کو ضیاع سے بچانے میں بہت مد ہے، اس طرح کھانے کی مقدار میں کمی بھی وقت بچانے میں معاون بن سکتی ہے کیونکہ بسیار خوری بسیار خوابی کا سبب ہے، ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں یہ چیز بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔

جس سے محنت کا جذبہ زندہ رہے!

علمائے سلف بہت عالی ہمت تھے، ان کی عالی ہمتی کا اندازہ آپ ان کی ان تصانیف سے کر سکتے ہیں جو ان کی زندگیوں کا نچوڑ ہیں، علم میں کمال چاہنے والے طالب علم کو چاہئے کہ اسلاف کی کتابوں سے واقفیت حاصل کرے تاکہ ان کی عالی ہمتی دیکھ کر اس کا دل زندہ اور اس کے محنت کرنے کا عزم متحرک ہو، نیز کتاب کسی بھی فن کی ہو فائدہ سے تو بہر حال خالی نہیں ہوتی (اس لئے اسلاف کی ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے)" آگے علامہ ابن جوزی اپنے زمانہ کے لوگوں کی کم ہمتی کا شکوہ کر کے فرماتے ہیں:

میں اپنے زمانہ کے پست ہمت لوگوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، نہ تو ان میں کوئی ایسا عالی ہمت ہے کہ مبتدی اس کی اقتدا کرے اور نہ کوئی ایسا صاحب تقوی ہے کہ سالک اس کی اتباع کرے، لہذا اپنے اسلاف کی سیرت کو پڑھیے، ان کے حالات وتصانیف کا مطالعہ کیجئے کہ ان کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ انہیں دیکھنے کی مانند ہے۔

صاحب عیون الانباء نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے واللہ

إنی أتأسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم وقت الاکل، فإن الوقت و الزمان عزیز (عیون الانباء جلد ۲ صفحہ ۳۴)

خدا کی قسم کھانا کھاتے وقت علمی مشغلہ ترک کرنے کی وجہ سے مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ وقت اور زمانہ بڑا ہی عزیز سرمایہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا اور فقہ حنبلی کے لئے مآخذ کی حیثیت رکھنے والی مشہور کتاب "منتقی الاخبار" کے مصنف مجدالدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے "ذیل طبقات حنابلہ" (جلد ۲، صفحہ ۲۴۹) میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

وہ عمر عزیز کا کوئی لمحہ ضائع ہونے نہیں دیتے تھے، زندگی کی ایک ایک گھڑی کو کسی مفید مصرف میں لگانے کا اس قدر اہتمام تھا کہ کسی بھی تقاضہ اور ضرورت سے جاتے تو اپنے کسی شاگرد سے کہتے تم کتاب بلند آواز سے پڑھو تاکہ میں بھی سن سکوں اور وقت ضائع نہ ہو۔

بات بڑی عجیب ہے لیکن عجب چیز ہے احساس زندگانی کا!

آٹھویں صدی کے مشہور شافعی عالم اور فقیہ شمس الدین اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "درر کامنہ" (جلد ۲ صفحہ ۸۵) میں، اور علامہ شوکانی نے "البدر الطالع" (جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ کھانا اس ڈر کی وجہ سے کم کھاتے تھے کہ زیادہ کھانے سے تقاضہ کی ضرورت بڑھے گی اور بیت الخلا جاکر وقت ضائع ہوگا۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے "تبیین کذب المفتری (صفحہ ۲۶۳) میں پانچویں صدی کے مشہور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ لکھتے لکھتے جب ان کا قلم گھس جاتا تو قلم کا قط لاتے ہوئے ذکر شروع کردیتے تاکہ یہ وقت صرف قط ہی لگانے میں ضائع نہ ہو۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ" (جلد ۳، صفحہ ۱۴) میں لکھا ہے کہ" راہ چلتے بھی مطالعہ کرتے تھے" تاکہ آنے جانے کا وقت ضائع نہ ہو، حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے "ذیل طبقات حنابلہ" میں اور علامہ ابن ابوالوفاء بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے: میں کھانے کے وقت کو مختصر کرنے کی بہت کوشش کرتا ہوں، روٹی کے بجائے چورہ پانی میں بھگو کر استعمال کرتا ہوں، کیونکہ روٹی اور چورہ کے استعمال میں کافی تفاوت ہے، روٹی کھانے میں کافی وقت لگ جاتا ہے جب کہ ثانی الذکر کے استعمال سے مطالعہ وغیرہ کے لئے کافی وقت بچ جاتا ہے)

ایک خط میں لکھتے ہیں: وأن أجل تحصيل عند العقلاء بإجماع العلماء هو الوقت فهو غنيمة تنتهز فيها الفرص، فالتكاليف كثيرة والاوقات خاطفة (ذیل طبقات حنابلہ ۱/۱۴۹ ـ ۱۴۲)

علماء وعقلاء سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی سب سے اہم پونجی جس کو بچا بچا کر استعمال کرنا چاہئے وقت ہے، لمحات زندگی فراہم کرنے والا وقت درحقیقت بڑی غنیمت ہے اس لئے اس کو بچا بچا کر رکھنا چاہئے کہ انسان کے ذمہ کام بہت ہیں جب کہ وقت ایک کر بہت جلد غائب ہونے والی چیز ہے۔"

یہ وقت کی قدردانی ہی کا نتیجہ تھا کہ ابن عقیل نے ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے معانی کئی مختلف فنون میں کتابیں لکھیں، ایک کتاب انہوں نے آٹھ سو جلدوں میں لکھی کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑی کتاب نہیں لکھی گئی۔ چھٹی صدی کے مشہور عالم ابن سکینہ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر اعلام النبلام النبلاء جلد ۲۱ صفحہ ۵۰۴) میں لکھا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے "صرف سلام کیا کرو، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کرو۔ اور یہ اس لئے کہ عام طور پر ملاقات کے وقت خیر و عافیت پوچھی جاتی ہے تا کہ اس میں وقت ضائع نہ ہو۔

حکیم الامت مولانا شرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پابندیٔ وقت ضرب المثل تھی، حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے متعلق فرماتے ہیں: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو وقت کی بڑی قدر تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالی نے ان کی فطرت ہی میں وقت کی اہمیت کو مضمر کر دیا تھا، وقت کے ایک ایک لمحہ کو صحیح اور برمحل استعال کرنے کا اس قدر اہتمام

تھا کہ ہر وقت ان کی نظر گھڑی پر رہتی تھی اور نہایت ہی سہولت اور بے تکلفی سے نظام الاوقات کے تحت ہر کام کو انجام دیتے تھے۔ ساری عمر اپنے تمام معمولات اور ضروریات زندگی کو مقررہ اوقات میں ایک ہی انداز میں ڈھال لیا تھا۔

آگے فرماتے ہیں: سچی بات یہ ہے کہ وقت بڑی قدر کی چیز ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ دین و دنیا

کی دولت ہی وقت ہے جس نے وقت سے فائدہ اٹھایا اس کے دین کا بھی نفع ہوا اور دنیا کا بھی! جوانی کا زمانہ اکثر غفلت کا زمانہ ہوتا ہے اور عاقبت کی فکر بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے، جب جوانی کے بعد اعصاب کمزور ہونے لگتے ہیں، دل و دماغ میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے، طاقت و ہمت جواب دے جاتی ہے، اس وقت اکثر جب ہوش آتا ہے کہ ہماری پچھلی عمر بڑی کوتاہیوں اور خامیوں میں بسر ہوئی اب کیا کریں؟ اور اگر کرنا بھی چاہیں تو اس کے لئے کوئی سامان نہیں ہے ۔اور دل و دماغ ہے اور نہ ہمت وطاقت ہے، یہ بڑی مایوسی اور بیچارگی کا عالم ہوتا ہے۔ (مآثر حکیم الامت ص 367)

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے صاحبزادے مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔ حضرت والد صاحب کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا اور آپ ہر وقت اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتے تھے اور حتی الامکان کوئی لمحہ فضول جانے نہیں دیتے تھے، آپ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ آپ کے وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے، آپ سنت کے مطابق گھر والوں کے ساتھ ضروری اور بسا اوقات تفریحی گفتگو کے لئے بھی وقت نکالتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کے دل میں کوئی آلارم لگا ہوا ہے جو ایک مخصوص حد تک پہنچنے کے بعد آپ کو کسی اور کام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ ایک روز ہم لوگوں کو وقت کی قدر پہچاننے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہے تو بظاہر نا قابل ذکر سی بات لیکن تمہیں نصیحت دلانے کے لئے کہتا ہوں کہ مجھے بے کار وقت گزارنا انتہائی شاق معلوم ہوتا ہے انتہا یہ ہے کہ جب میں قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء جاتا ہوں تو وہاں بھی خالی وقت گزارنا مشکل ہوتا ہے چنانچہ جتنی دیر بیٹھنا ہوتا ہے، اتنے اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا اگر لوٹا میلا کچیلا ہوتا ہے تو اسے دھو لیتا ہوں۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر صفحہ ۵۰۲)

❁❁❁

ساڑھے سات ارب بزدل انسانوں کا سمندر

اوریا مقبول جان

غزہ اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں پر جاری اسرائیلی دہشت گردی میں، معصوم بچوں کی لاشیں اٹھاتے والدین، خوف سے کانپتے بچے، ملبے کے ڈھیر پر بیٹھے خاندان اور بلند و بالا عمارتوں کے زمین بوس ہوتے مناظر کے درمیان عالمی میڈیا پر ایک ایسی خبر نشر ہوئی، جس کا بظاہر تو اس سارے ظلم و بربریت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا، لیکن وہ جو حقیقتِ حال سے آگاہ ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اسرائیلی قتل و غارت کا پشت پناہ کون ہے۔

خبر کے مطابق، گوانتانا موبے سے اٹھارہ سال بعد ایک پاکستانی تاجر سیف اللہ پراچہ کو بغیر فرد جرم عائد کیے، اسکی رہائی کا اعلان ہوا ہے۔ یہ قید اور رہائی ایک علامت ہے اس قوت کی جس کے بل بوتے پر گذشتہ ستر سالوں سے نہ صرف فلسطین بلکہ دنیا کے ہر ملک میں مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ لیکن اس قتل و غارت پر عالمی اداروں، انسانی حقوق کی انجمنوں، دوسو سے زیادہ ممالک کی ''سول سوسائٹیوں'' اور جاندار ''آزاد'' میڈیا مسلسل اپنی مہر تصدیق بھی ثبت کررہا ہے۔ گوانتا ناموبے دراصل اس عالمی قید خانے کی ایک چھوٹی سے مکمل تصویر (Miniature) ہے، جہاں بے گناہ لوگوں کو پکڑ کر لایا جاتا رہا، ان پر دہشت گردی کا الزام لگا کر انہیں پوری دنیا کے لیے ایک ناقابلِ قبول شخص قرار دیا جاتا رہا، ان کے حق میں معمولی سی آواز بلند کرنے والوں کو بھی دہشت گردوں کا سہولت کار، ہمدرد اور شدت پسند کہہ کر خوف زدہ کیا جاتا اور یوں پوری دنیا کو ''گنگ'' یعنی

بے زبان کرنے کے بعد ان قیدیوں کو اس عقوبت خانے میں بدترین تشدد والی زندگی میسر کی جاتی رہی۔ یہ قیدی وہ بدقسمت تھے جنکی باقی ماندہ زندگی ایک ایسی اذیت میں ڈھل گئی، جس کے خاتمے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، ان کو تاحیات قیدی کے طور پر جانا جانے لگا۔

ان میں سے ایک پاکستانی تاجر سیف اللہ پراچہ بھی تھے۔ سیف اللہ پراچہ کی کہانی جہاں عالمی سطح کی بے انصافی کی کہانی ہے وہاں، اس ظلم پر دنیا کی مکمل خاموشی کی داستان بھی ہے۔ یہ رہائی بھی کبھی عمل میں نہ آتی اگر افغانستان کے مردانِ حُرّ ''طالبان'' نے امریکہ اور اس کے حواریوں کو بدترین شکست سے نہ دوچار کیا ہوتا۔ طالبان کی فتح نے دنیا کی اس واحد عالمی طاقت کے تقریباً ہر ادارے اور ہر سوچنے والے ذہن میں یہ تصور ضرور راسخ کیا ہے کہ فتح کے لئے ٹیکنالوجی کا عروج، افواج کی اکثریت اور عالمی سپورٹ کافی نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے اگر مقابلے میں دشمن توّکل کی دولت، ایمان کے جذبے اور شہادت کی آرزو سے مالا مال ہو۔ سیف اللہ پراچہ سے میری سرِ راہ کوئٹہ میں شاید ایک یا دو ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب افغانستان میں ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی حکومت تھی جس نے وہاں تقریباً 17 سال کے بعد خطے کو امن بخشا تھا۔ افغانستان کے پرامن حالات سے متاثر پاکستان کا یہ دیندار تاجر، سیف اللہ پراچہ وہاں معاشی بحالی میں مدد دینے کے لیے بے تاب تھا۔ میں نام اور ملاقات بھول جاتا لیکن ایک دن 2003ء میں اچانک خبر پڑھی کہ سیف اللہ پراچہ کو القاعدہ سے تعلق کے شبہے میں بینکاک سے گرفتار کر لیا گیا، جس نے چونکا کر رکھ دیا۔ سیف اللہ پراچہ جس کا بچپن انتہائی غربت میں گذرا، ایک وظیفہ پر چوبیس سال کی عمر میں نیویارک انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں تعلیم کی غرض سے گیا، جہاں اس کی ملاقات ایک پاکستانی خاتون سے ہوئی جو اس کی بیوی بنی اور پھر وہ پندرہ سال امریکہ میں ایک پرسکون زندگی گذار کر 1986ء میں پاکستان آگیا۔ اس نے یہاں آکر پاکستانی گارمنٹس کا بیرون ملک سپلائی کا کاروبار شروع کیا، اور ساتھ ساتھ وہ ملک بھر میں خیراتی کاموں میں بھی مشغول ہو گیا۔ اس نے ایک بہت بڑ

اہسپتال بھی قائم کیا۔ ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت کے قیام کے بعد اس نے کچھ ساتھیوں سمیت معاشی بحالی کے جذبے کے تحت 1999ء سے 2000ء تک افغانستان کے تین دورے کیے۔ ان دوروں کی تفصیل اس نے اپنی این جی او، کونسل آف ویلفیئر آرگنائزیشن کی ویب سائٹ پر بھی جاری کی۔

وہ ان چوبیس لوگوں میں شامل تھا، جنہیں قندھار میں اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا ''شرف'' حاصل ہوا۔ سیف اللہ پراچہ نے اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ سے اسکے مؤقف کی وضاحت کیلئے ایک تفصیلی انٹرویو کے لیے کہا۔ سیف اللہ نے اس مقصد کے لیے اپنے کراچی دفتر میں ایک بہت بڑا سٹوڈیو بھی بنا رکھا تھا جہاں ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیکچر بھی ریکارڈ ہوتے تھے۔ ملاقات کے دوران سیف اللہ پراچہ نے اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا بزنس وزٹنگ کارڈ دیا، تاکہ وہ اس سے رابطہ کر سکے، لیکن اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کوئی رابطہ نہ کیا۔ سیف اللہ پراچہ نے مئی 2001ء میں امریکی صدر جارج بش کو پانچ صفحات پر ایک مشتمل خط تحریر کیا، جس میں کہا گیا کہ امریکہ، طالبان حکومت سے پابندیاں اٹھا لے، کیونکہ طالبان منشیات، دہشت گردی اور اشتراکیت کے خلاف بہت مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

گیارہ ستمبر کے واقعہ کے بعد پراچہ نے پاکستان میں امریکی کونسل جنرل سے اس سانحے کا افسوس بھی کیا۔ لیکن ایک دن اچانک 2002ء میں ایک شخص ''میر'' کے نام سے پراچہ کے پاس اسکا وہ والا کارڈ لے کر آیا جو اس نے اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا اور اس سے میڈیا کے حوالے سے گفتگو کرنے لگا۔ لیکن اب ایسا ناممکن ہو چکا تھا۔ پراچہ نے معذرت کی، مگر وہ اس سے چھوٹی موٹی مدد حاصل کرتا رہا، جیسے بینک میں اکاؤنٹ کھلوانا وغیرہ۔ اس نے پراچہ کو کاروبار میں لگانے کے لیے دو لاکھ ڈالر کی پیشکش کی جو اس نے مسترد کر دی۔ اس کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی ہوتا جس کا نام وہ مصطفیٰ بتاتا۔ سیف اللہ پراچہ کا بیٹا عزیر انکے ساتھ کام کرتا تھا، جو ان ملاقاتوں میں شامل رہتا۔ وہ بزنس کے سلسلے میں امریکہ چلا گیا۔ مارچ 2003ء کو، ایک دن اچانک سیف اللہ پراچہ نے ٹی وی پر

دیکھا کہ ایک شخص خالد شیخ محمد کو راولپنڈی میں گرفتار کیا گیا ہے تو وہ حیران رہ گیا کیونکہ یہ تو وہی شخص تھا جو ''میر'' کے نام سے اس سے ملنے آتا تھا۔

خالد شیخ کی گرفتاری کے چند دن بعد ہی 28 مارچ 2003ء کو سیف اللہ پراچہ کے بیٹے عزیر کو نیویارک سے ایف بی آئی نے اٹھا لیا۔ سیف اللہ پراچہ، اپنے بیٹے سے ملاقات چاہتا تھا۔ اس نے اپنے پارٹنر نیویارک کے یہودی چارلس اینٹ بے (Charles Anteby) سے کچھ کرنے کی درخواست کی، اور امریکی سفیر کو خط بھی لکھا۔ چارلس نے گفتگو کے لیے اسے بینکاک بلایا کیونکہ وہ پاکستان نہیں آنا چاہتا تھا۔ لیکن 5 جولائی 2003ء کو بینکاک ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی سیف اللہ کو گرفتار کر لیا گیا اور آج تقریباً اٹھارہ سال بعد وہ صرف اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کو وزٹنگ کارڈ دینے کے معمولی جرم کی 18 سال سزا بھگت کر رہا ہو رہا ہے۔

اٹھارہ سالہ اذیت ناک جیل، جہاں روا رکھے جانے والے سلوک، بہیمانہ تشدد اور بربریت کی داستانیں جدید انسانی تاریخ کا بدنما چہرہ ہیں۔ یہ ہے وہ امریکہ جو اسرائیل کی ریاست کی پشت پناہی کرتا ہے۔ یہ امریکہ آج اپنا ہاتھ اٹھالے تو یہ اسرائیلی ریاست صرف چند گھنٹوں میں دنیا کے نقشے سے ختم کی جاسکتی ہے۔

ہر وہ بچہ جو غزہ میں مر رہا ہے، جو بوڑھا اذیت میں ہے، جو نوجوان شہید ہو رہا ہے، جو خاتون اپنے پیاروں کی لاشوں پر رو رہی ہے، ان کا سب کا مجرم دراصل ''نیتن یاہو'' نہیں ہے بلکہ ''جو بائیڈن'' ہے۔ کوئی ہے جو براہ راست اس اصل مجرم کا گریبان پکڑے۔ کوئی اسمبلی اس کے خلاف قرارداد منظور کرے، اس ملک سے اپنے تعلقات توڑے۔ ساڑھے سات ارب بزدل انسانوں کا سمندر ہے یہ دنیا۔

❁❁❁

عورتوں کا اجنبی مردوں سے برتاؤ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

قرآن مجید کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے: ''اجنبی مردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جس سے نفرت پائی جائے، نہ کہ محبت والفت

واقعی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں جذبات کی پوری رعایت ہے، نرم لہجہ سے اجنبی شخص کو ضرور میلان ہوتا ہے، کیسی عجیب سی بات ہے اور سخت لہجہ سے اجنبی مرد کو نفرت ہوتی ہے الغرض عورتوں کے لئے قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ پردہ کے ساتھ بھی اجنبی مرد کے ساتھ نرم لہجہ سے گفتگو مت کرو، اس طرح سے آواز کا بھی پردہ ہے۔ عورت کے لئے تہذیب یہی ہے کہ غیر آدمی سے روکھا برتاؤ کرے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا۔

حق تعالیٰ تو فرماتے ہیں کسی سے نرم لہجہ سے بات نہ کرو۔ دیکھئے! اس آیت کی مخاطب وہ عورتیں ہیں جو مسلمانوں کی مائیں تھیں، یعنی ازواج مطہرات، ان کی طرف کسی کی بری نیت جا ہی نہیں سکتی تھی، مگر ان کے لئے بھی یہ سخت انتظام کیا گیا تو دوسری عورتیں تو کس شمار میں ہیں؟ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما سے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ نرم لہجہ سے بات مت کرو، جب بات کرنا ہو تو خشک لہجہ سے کرو، جس سے مخاطب یہ سمجھے کہ بڑی کھری اور تڑی اور تلخ (بد) مزاج ہیں، تاکہ ''لاحول'' ہی پڑھ کر چلا جائے، نہ یہ کہ نرمی سے گفتگو کرو کہ میں آپ کی محبت کا شکر میہ ادا کرتی ہوں،

مجھے جناب کے الطاف کریمانہ کا خاص احساس ہے۔ استغفر اللہ!

لوگوں نے آج کل اس کو تہذیب سمجھ لیا ہے اور بعض لوگ اس پر کہہ دیتے ہیں کہ صاحب! بتلایئے کہ فساد ہو رہا ہے؟ ہم کو تو نظر نہیں آتا؟ میں کہتا ہوں کہ اول تو فساد موجود ہے اور اگر تم کو نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ بہت قریب آگے چل کر یہ لہجہ کچھ رنگ لائے، اس وقت سب معلوم ہوگا اور مجھ کو تو اس وقت معلوم ہو رہا ہے۔ اہل نظر شروع ہی میں کھٹک جاتے ہیں کہ یہ چیز کسی وقت میں رنگ لائے گی۔

حیا وفطرت کا مقتضی

اول تو عورتوں کو غیروں سے بولنا ہی نہیں چاہئے، مگر بغرض ضرورت بولنا جائز ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فتق سے گفتگو ہو، تاکہ دوسرے کے دل میں کشش اور میلان پیدا نہ ہو اور عورتوں کے لئے یہ طریقہ شرعی حکم ہونے کے علاوہ طبعی (اور فطری تقاضا بھی ہے۔ حیا عورت کے لئے طبعی امر ہے اور اس کے آثار ان دیہاتی عورتوں میں جن پر حیا زائل ہونے کے اسباب نے اثر نہیں کیا،۔

موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ طبعی بات عورت کے لئے یہی ہے کہ غیر مردوں سے میل جول نہ کرے، اور کوئی ایسی بات، قول (گفتگو) یا عمل میں اختیار نہ کرے، جس سے میل جول یا کشش پیدا ہو۔

دیہات میں دیکھئے کہ بھنگن و چمارن سے خطاب کیجئے تو وہ منہ پھیر کر اول تو اشارہ سے جواب دے گی، مثلا راستہ پوچھے تو انگلی اٹھا کر بتادے گی کہ ادھر ہے اور اگر بولنا ہی پڑے تو بہت تھوڑے الفاظ میں مطلب کو ادا کر دے گی، نہ اس میں القاب ہوں گے، نہ آداب، نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ نہ آواز نرم ہوگی، بلکہ اس طرح بولے گی جیسے کوئی زبردستی بات کرتا ہے۔

چونکہ دیہات والوں میں سے اخلاق طبعی موجود ہوتے ہیں اور ان سے انحراف (یعنی آزادی و بے باکی کے اسباب وہاں نہیں پائے جاتے، اس واسطے دیہاتیوں کے اخلاق و عادات

اپنی اصلی حالت پر ہوتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل طبعی اخلاق سے دوری ہوگئی ہے، اور جو باتیں بری سمجھی جاتی تھیں، وہ اچھی سمجھی جانے لگی ہیں حتی کہ اس قسم کے مضامین اور ایسے خیالات اور ایسے جذبات جن سے خواہ خواہ میلان ہو، آج کل ہنر سمجھے جانے لگے ہیں۔

اس سے بہت پرہیز کرنا چاہئے۔ اللہ محفوظ رکھے، یہ سب اثر ہے اس نئی تعلیم کا۔

یہ (کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم عورتوں کے لئے تو نہایت ہی مضر ہے۔ عورتوں کی تعلیم کا وقت بچپن کا ہوتا ہے، مگر آج کل شہروں میں بچپن ہی سے لڑکیوں کو نئی تعلیم دی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس تعلیم کے آثار ونتائج ان کی رگ و پے میں سرایت کر جاتے ہیں۔ پھر دوسری کوئی تعلیم ان پر اثر ہی نہیں کرتی۔ لڑکیوں کی مثال بالکل کچی نرم لکڑی کی سی ہے، اس کو جس صورت پر قائم کر کے خشک کردو گے، تمام عمر وہی رہے گی۔

جب بچپن ہی سے نئی تعلیم دی گئی، نئے اخلاق سکھائے گئے، نئی وضع قطع، اور نیا طرز معاشرت ان کی نظروں میں رہا تو وہ اسی میں پختہ ہوگئیں، بڑی ہوکر ان کی اصلاح کسی طرح نہیں ہوسکی، لہذا ضرورت ہے کہ بچیوں کو نئی تعلیم کے بجائے پرانی (دی تعلیم دیجئے)

اجنبی مرد سے نرمی سے گفتگو کرنے کا نقصان:

اس کی دلیل بھی خود اس آیت میں موجود ہے: "فلا تخضعن بالقول' کے بعد ہی بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں: "فیطمع الذی فی قلبہ مرض کہ اگر نرم لہجہ سے بات کی گئی تو جس کے دل میں روگ ہے، اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا اور وہ لہجہ کی نرمی سے سمجھ لے گا کہ یہاں قابو چل سکتا ہے، پھر وہ اس کی تدبیریں اختیار کرے گا۔ دیکھئے! خود حق تعالی لہجہ کی نرمی کا یہ اثر بتا رہے ہیں، پر کسی کی کیا مجال ہے کہ اس اثر کا انکار کرے؟ میں اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ الفاظ قرآنی صاف بتلا رہے ہیں کہ عورتوں کا مردوں سے نرم گفتگو کرنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں لالچ پیدا ہوتا ہے۔

گفتگو کا طریقہ اور قول معروف کی تشریح:

اس کے بعد یہ بھی حکم ہے: **وقلن قولا معروفا**، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بات کرو بھی تو ایسی بات کرو، جس کو شریعت میں اچھا مانا گیا ہو: ایک تو یہ کہ بے ضرورت الفاظ مت بڑھاؤ، کیونکہ شریعت اس کو کسی کے لئے پسند نہیں کرتی، شریعت نے کم بولنے ہی کو پسند کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر بات سوچ کر کہو، کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکل جائے۔ معروف کا مختصر ترجمہ معقول ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ معقول بات کہو، معقول بات وہی ہوتی ہے جس سے کوئی برا نتیجہ پیدا نہ ہو۔ اور جب ثابت ہو چکا کہ لہجہ کی نرمی سے بھی عورتوں کے لئے برا نتیجہ پیدا ہوتا ہے تو پیار ومحبت کی باتوں سے کیوں برا نتیجہ پیدا نہ ہوگا؟ جس کو آج کل تہذیب سمجھا گیا ہے، اس قسم کی باتیں عورتوں کے لئے معقول نہیں، بلکہ نامعقول ہیں۔

بداخلاقی وبدتہذیبی کا شبہ:

عورت کے لئے یہی ہے کہ غیر آدمی سے روکھا برتاؤ کرے، اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ایک بات ایک کے لئے معقول ہو اور دوسرے کے لئے نامعقول، ایک کے لئے سختی سے بات کرنا اور بے رخی سے جواب دینا معقول ہوسکتا ہے اور دوسرے کے لئے نامعقول۔ مردوں کے واسطے باہمی کلام کا معقول طریقہ یہ ہے کہ نرمی سے بات کرو کسی کو سخت جواب نہ دو، روکھا پن نہ برتو، اور عورتوں کے لئے معقول طریقہ یہ ہے کہ اجنبی کے ساتھ نرمی سے بات نہ کریں اور سختی سے جواب دیں اور روکھا برتاؤ کریں۔

ایک بات مردوں کے لئے بری اور عورتوں کے لئے اچھی ہوسکتی ہے، عورتوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب غیر مردوں سے بات کریں تو خوب روکھے اور سخت لہجہ اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کریں۔ اول تو عورتوں کو غیروں سے بولنا ہی نہیں چاہئے، مگر بضرورت بولنا جائز ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے۔

❁❁❁

سوانح حاجی صاحبؒ نمبر

سوانح حضرت حاجی عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ صاحب

مرتب: مولانا ذوالکفل

استاذ جامعہ دارالتقوی لاہور

قسط نمبر 16

مجدد تبلیغ حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے آپ نے اپنی حیات مستعار کی سات دہائیاں دین کی اشاعت اور تبلیغ کی محنت میں وقف کر دیں۔حاجی صاحبؒ کی جدائی یقیناً ایک عظیم قومی وملی سانحہ ہے اور یہ ایسا خلا ہے جو شاید کبھی پر نہ ہو سکے لیکن قدرت کے فیصلوں کے آگے کون ٹھہر سکتا ہے، آخر سب کو جانا ہے اور جانے والے کبھی واپس نہیں آتے، ہاں ان کی حسین یادیں ہمیشہ ہماری زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں۔

ان کے انتقال کے بعد یہ بات شدت سے محسوس ہوئی کہ ان کی حقیقی احوال وواقعات مجتمع ہو جائیں تا کہ ان کی سیرت وکردار کے درخشاں پہلوامت کے سامنے آسکیں اوران کی زندگی کا مطالعہ کر کے لوگوں کو بھی اپنی زندگی کا رخ متعین کرنے میں مدد مل سکے۔اسی مقصد کے پیش نظر جامعہ کے شعبہ نشر واشاعت نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات، دینی وتبلیغی خدمات، تقسیم ہند سے قبل اور بعد کے تبلیغی حالات و واقعات کو خوبصورت انداز میں یکجا کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور مختصر عرصے میں تقریباً سات سو صفحات کی ضخیم کتاب تیار ہوگئی جو بحمد للہ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے جس کی طباعت اول ہاتھوں ہاتھ بک گئی ہے اب اس کی طباعت ثانی پر کام جاری ہے قارئین کے فائدے اور دلچسپی کے لئے اسے ماہنامے میں قسط وار شائع کیا جائے۔امید ہے قارئین اسے پسند فرمائیں گے۔

مسلمان کا حسن ظن

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسلمان کا ظن بہت کام کرتا ہے۔ میں تو نیا نیا کالج سے گیا تھا مجھے اس وقت سمجھ نہیں آیا کہ ظن

کا کیا مطلب ہے۔ وہ تو بعد میں پتہ چلا کہ ظن کتنی بڑی چیز ہے پھر فرمانے لگے کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر نظام الدین سے میوات جایا کرتے تھے۔ میوات جانے کے لیے جس جگہ سے بس پکڑتے تھے اس بس اڈے کے بالکل سامنے ایک کالج تھا جس کا نام تھا اینگلو عربیک کالج...... یہ کالج انگریزوں نے بنایا تھا جس کا مقصد انگریزی اور دینی تعلیم کو مخلوط کر کے انگریزی تعلیم کو غالب کرنا تھا۔

چنانچہ بس کے انتظار میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساتھیوں سے پوچھتے کہ یہ کیا ہے۔ ساتھی جواب دیتے کالج ہے تو حضرت فرماتے نہیں یہ ہمارے تبلیغ کا اڈہ ہے۔ ساتھی عرض کرتے حضرت ساری خرابیاں یہیں سے تو نکلتی ہیں اور سارے فساد یہیں سے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت فرماتے نہیں نہیں یہ تبلیغ کا اڈہ ہے۔ یہاں سے تبلیغ کی جماعتیں نکلیں گی۔

پھر اللہ نے کس طرح مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو پورا فرمایا......؟ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی کالج والوں نے مشورہ کیا کہ ہمارے مجلس عاملہ میں کوئی عالم نہیں ہے ایک نہ ایک عالم ضرور ہونا چاہیے...... چنانچہ مشورہ سے مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام تجویز ہوا اور مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی مجلس مشاورت میں آ گئے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اس کالج میں ایک مسجد بھی بنی اور مسجد کے سامنے میدان میں اجتماع بھی شروع ہو گیا اور متواتر ہر سال ہونے لگا۔ یہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ظن کی طاقت تھی۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی کو دیکھ کر منفی سوچ کی طرف نہیں جاتے تھے بلکہ ہمیشہ اچھا گمان رکھتے تھے......اور فرماتے تھے کہ اگر مسلمان میں 99 خرابیاں ہوں اور صرف ایک اچھائی ہو تو اس کی اچھائی کو اتنا بیان کرو اتنا بیان کرو کہ اس کی سب برائیاں اس کی ایک اچھائی میں چھپ جائیں۔

بہرحال تو اس کالج کو دیکھ کر مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ تبلیغ کا اڈہ ہے۔ یہاں سے جماعتیں تبلیغ کے لیے نکلیں گی۔ پھر کیا ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی حضرت کا حسن ظن اس کالج کے بارے میں ہونے کی وجہ سے کالج والوں نے یہ مشورہ کیا کہ ہمارے عملہ میں ایک عالم بھی ہونا چاہیے

تو مشورہ میں یہ بات طے ہوئی اور مولانا انعام الحسن صاحب ان کی مجلس مشاورت میں آگئے (تیسرے حضرت جی) مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حسن ظن ہی کی ایک مثال یہ بھی دی جاسکتی ہے، کہ رائیونڈ کے بارے میں جو مشہور ہے کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دعا کی تو ایسی کوئی بات نہیں رائیونڈ یہ جنکشن ہے تو یہاں سٹیشن پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قیام کیا تھا اور قیام اس طرح کیا تھا کہ حضرت قصور کی طرف سے آئے تھے اور آگے کراچی جانا تھا اور کراچی سے پھر حج کے لیے روانہ ہونا تھا بحری جہاز کے ذریعے......تو یہاں قیام کیا اور مولانا احتشام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ ساتھی ساتھ تھے اور وہ جو مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج تھا ہر جگہ کو دیکھ کر اس کے بارے میں اچھے گمان کے الفاظ نکالنا اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مولانا نے یہ کہا ہو کہ اللہ اس جنکشن کو تبلیغ کا جنکشن بنادے۔ اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسٹیشن پر اتنا انتظار کیا ہو اور اس جنکشن کے بارے میں کچھ نہ کہا ہو۔

تو ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ کہا ہو۔ بعض لوگوں نے یہ بات چلائی ہے کہ مولانا یہاں سے گزرے تھے اور انہوں نے یہاں دعا کی تھی۔ تو گزرے نہیں تھے بلکہ یہاں رک کر ٹرین کا انتظار کیا تھا جو لاہور سے آنی تھی۔

تو مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مزاج تھا فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو دیکھ کر اس کا رخ بھلائی کی طرف کرتے تھے۔ میں نے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی حسن ظن سے بھری ہوئی تھی ہر آدمی کو دیکھ کر حسن ظن اَنَا عِنْدَ ظَنِّی عَبْدِیْ بِہٖ۔

مجھے آپ کے کام پر سو اشکال ہیں:

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کرتے تھے کہ مجھے آپ کے کام پر سو اشکال ہیں...... مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ساتھ ملا لیتے لیکن مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں حیا غالب تھی اور وہ بہت باادب تھے اس لیے وہ چپ چپ رہتے تھے۔ جب کہ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتہائی

جری تھے تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اکثر کہہ دیا کرتے تھے کہ مجھے آپ کے کام پر سو اشکال ہیں اس پر ایک دفعہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم دونوں مجھے مسلمان بھی سمجھتے ہو یا نہیں......؟

ایک دفعہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے کہ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے داہنی طرف آ کر بیٹھ گئے۔ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز سے فارغ ہوئے اور مولوی یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا تو مولانا یوسف صاحب کہنے لگے کہ: بیوی کے بھی کچھ حقوق ہیں......بیوی کا یہ حق ہے...... یہ حق ہے اپنے والد ماجد کو بیوی کے حقوق گنوانے لگے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اچھا بھائی......میں تیری اماں سے معافی مانگ لوں گا......مولانا یوسف صاحب بولے: غلط ہے مرد کو عورت سے معافی نہیں مانگنی چاہئے بلکہ حقوق ادا کرنے کا خیال رکھیں۔

اس طرح مولانا یوسف صاحب اشکال کرتے رہتے تھے......حضرت رائے پوری کو اس کا پتہ چلا تو مولانا یوسف صاحب کو بلایا اور ڈانٹا اور فرمایا کہ جب حضرت دہلوی کوئی بات فرمایا کریں تو ادب و توجہ سے سنا کرو......مولانا یوسف صاحب پر اس بات کا بہت اثر ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر اس کے بعد سارے اشکالات آہستہ آہستہ دور ہونے شروع ہو گئے۔

ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہونے والا

تربیتی، اصلاحی اور تبلیغی رسالہ

تاجر حضرات اپنے کاروبار اور مصنوعات کی موثر تشہیر کے لئے ماہنامہ دارالتقویٰ کا انتخاب کریں

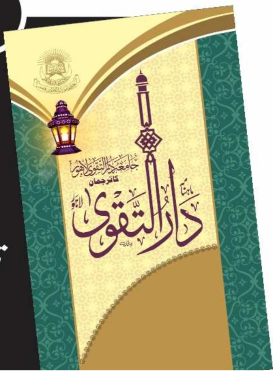

❁❁❁ سفر نامہ

بیس ملکوں کا سفر

مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ

قسط:20

سفر نامہ وہ بیانیہ ہے جسے مسافر سفر کے دوران یا منزل پر پہنچ کر اپنے تجربات اور مشاہدات کی مدد سے تحریر کا جامہ پہناتا ہے اور اپنی گزری ہوئی کیفیات سے دوسروں کو واقف کراتا ہے۔ راہ میں پیش آنے والے اپنے تحیّر، استعجاب اور اضطراب کو اس طرح سے قلم بند کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے نہ صرف پوری تصویر آجاتی ہے بلکہ اس مقام سے متعلق تمام معلومات مع تفصیل اس کے علم اور آگہی میں اضافہ کر دیتی ہیں۔"جہان دیدہ" بھی ایسا ہی ایک سفر نامہ ہے جو شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ کے سفر ناموں کا پہلا مجموعہ ہے جو بیس ملکوں کے سفر کی تفصیل اور روئیداد پر مشتمل ہے۔قبل ازیں آپ ان صفحات پر حضرت مفتی صاحب کا سفر نامہ "سفر در سفر" پڑھ چکے ہیں جسے قارئین نے بہت پسند کیا۔اب قسط وار "جہان دیدہ" شائع کیا جارہا ہے جو نہایت دلچسپ اور اپنے اندر بیش بہا معلومات کا خزینہ لئے ہوئے ہے، امید ہے قارئین پسند کریں گے اور یہ سلسلہ ان کے علم و عمل میں اضافے کا باعث بنے گا۔انشاء اللہ

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی فتوحات

عرصہ دراز تک الجزائر میں خلافت عثمانیہ کی حکومت پورے امن و امان اور عوام کی خوشحالی کے ساتھ قائم رہی۔ ترکی حکام کا برتاؤ بحیثیت مجموعی اسلامی تعلیمات کے مطابق رہا۔لیکن رفتہ رفتہ اس دینی فضا میں کمزوری آنی شروع ہوئی۔بعض متعصب گورنروں نے سرکاری ملازمتوں میں تعصب سے کام لینا شروع کیا، جس سے الجزائر کے باشندے بیزار ہوئے یہ گورنر خود خلافت عثمانیہ کے احکام

کی بھی پوری پابندی نہیں کرتے تھے دوسری طرف عوام کے دینی طرز عمل میں بھی انحطاط آچکا تھا۔

اس دور انحطاط میں خلافت عثمانیہ کی طرف سے الجزائر کا آخری گورنر حسین پاشا مقرر ہوا۔ اور اس نے اپنی حماقت اور خودسری سے الجزائر کو فرانس کی غلامی میں دھکیل دیا۔ جس کا واقعہ بھی بڑا عبرت آموز ہے۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ الجزائر کے ایک یہودی تاجر بقری ابوجناح کے فرانسیسی تاجروں کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے۔ انہی تجارتی معاملات کے دوران فرانسیسی تاجر اس الجزائری یہودی کے مقروض ہو گئے اور جب ان سے واجب الادا رقوم کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ یہ عذر پیش کرتے کہ ہم خسارے کی وجہ سے ادائیگی سے معذور ہیں۔ بقری ابوجناح نے اس سلسلے میں الجزائر کے گورنر حسین پاشا سے مدد طلب کی حسین پاشا نے فرانس کے سفیر کو بلا کر اصرار کیا کہ رقوم کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے۔ بالآخر گفت وشنید کے نتیجے میں فریقین کے درمیان صلح ہوئی اور طے پایا کہ فرانسیسی تجار بقری ابوجناح کو ایک خطیر رقم بطور صلح ادا کریں گے۔ مشہور یہ ہے کہ اس معاہدے کے دوران حسین پاشا کی نیت شروع سے خراب تھی اور اس کو اس قضیے سے دلچسپی اس لئے تھی وہ یہ رقم یا اس کا بڑا حصہ خود رکھنا چاہتا تھا، اور اس قسم کی بدعنوانیاں اس کا معمول بن چکی تھیں۔

جب معاہدے کی رو سے رقم کی ادائیگی کا وقت آیا تو فرانس کے کچھ اور تاجروں نے بقری ابوجناح پر یہ دعوی کر دیا کہ ہماری خطیر رقم اس کے ذمے واجب الادا ہے اور انہوں نے اپنی حکومت کے ذریعے ایک حکم امتناعی حاصل کر لیا۔ جس کے تحت بقری ابوجناح کے مقروض فرانسیسی تاجروں کو مذکورہ معاہدے کے تحت رقم کی ادائیگی سے روک دیا تاکہ لوگ اپنی رقم فرانس ہی میں وصول کر سکیں۔

حسین پاشا کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے فرانسیسی سفیر کو بلا کر احتجاج کیا اور کہا کہ ادائیگی معاہدے کے مطابق ہونی چاہئے۔ اور اگر دوسرے تاجروں کی رقوم بقری ابوجناح پر واجب ہیں تو وہ مذکورہ ادائیگی کے بعد اس سے وصول کر لیں۔ کیونکہ دونوں معاملات الگ الگ ہیں لیکن سفیر اس پر راضی نہ ہوا وجہ یہ تھی کہ حسین پاشا کی بدعنوانیاں مشہور تھیں، اور تاجروں کی رقم بقری ابوجناح پر واجب تھیں ان کو اندیشہ

تھا کہ فرانس سے یہ رقم نکل جانے کے بعد بقری ابو جناح کے پاس نہیں پہنچے گی، بلکہ حسین پاشا اسے غصب کرلے گا اور جب ہم بقری سے رقم طلب کریں گے تو اس کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

جب سفیر نے حسین پاشا کی بات ماننے سے انکار کیا تو پاشا نے براہ راست حکومت فرانس کو خط لکھا، حکومت فرانس نے وہ خط سفیر کے پاس بھیج کر اسے جواب دینے کا حکم دیا۔ اسی دوران وہ سفیر کسی اور معاملے کے سلسلے میں حسین پاشا کے پاس آیا تو پاشا نے اس سے کہا کہ مجھے ابھی تک اپنے خط کا جواب نہیں ملا، حالانکہ بہت دیر ہو چکی ہے۔ سفیر نے کہا کہ میری حکومت نے وہ خط مجھے دینے کے لئے کہا ہے۔ حسین پاشا نے اس کی وجہ پوچھی تو سفیر نے کوئی ایسا جملہ کہہ دیا جس سے حسین پاشا کو تحقیر کی بو آئی۔ اس وقت پاشا کے ہاتھ میں پنکھا تھا، اس نے وہ پنکھا فرانسیسی سفیر کے منہ پر دے مارا اور اسے باہر نکلوا دیا۔

حکومت فرانس نے اپنے سفیر کی توہین پر شدید احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ حسین پاشا سفیر سے معذرت کرے لیکن حسین پاشا نہ مانا۔ اس وقت فرانس کی حکومت اپنے بہت سے داخلی مسائل سے دو چار تھی اور متعدد محاذوں پر اسے بھی جنگ درپیش تھی اس لئے وہ کوئی نئی جنگ مول لینا نہیں چاہتی تھی اس لئے بالآخر اس نے یہ تجویز پیش کی کہ حسین پاشا بذات خود سفیر یا حکومت فرانس سے معذرت کے بجائے پیرس میں رہنے والے کسی بھی شخص کو اس کام کے لئے اپنا نمائندہ بنادے کہ وہ حکومت فرانس سے اس کی جانب سے معذرت کرے۔

خلافت عثمانیہ کے مرکز کی طرف سے بھی حسین پاشا کو تاکید کی گئی کہ وہ اس تجویز کو قبول کر کے اس پر عمل کرلے لیکن حسین پاشا اپنی ضد پر اڑا رہا اور اس نے یہ تجویز بھی نہیں مانی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت فرانس جنگ پر آمادہ ہوگئی اور ایک طاقتور بحری بیڑے کے ذریعے اس نے الجزائر پر حملہ کردیا حسین پاشا اس حملے کا مقابلہ نہ کرسکا اور حکومت فرانس پورے الجزائر پر قابض ہوگئی اور حسین پاشا کو گرفتار کر کے پیرس بلا لیا گیا بعض مؤرخین نے اس صورت حال کی وجہ یہ

بیان کی ہے کہ حسین پاشا خود الجزائر کا باشندہ نہیں تھا اس لئے اسے وطن کا کوئی درد نہ تھا، اور اس نے ایسے اقدامات کئے جو بالآخر الجزائر کے لئے تباہ کن ثابت ہوئے۔

لیکن علامہ شیخ محمد بیرم تونی رحمۃ اللہ علیہ جو آخری دور میں شمالی افریقہ کے بڑے مسلم الثبوت عالم تھے۔ اور علوم دین کے علاوہ تاریخ سیاست اور جغرافیہ پر بھی ان کی نگاہ بڑی وسیع تھی۔ اس خیال کی شدت کے ساتھ تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اسلامی قومیت ایک ہی ہوتی ہے اور مشاہدے سے بھی اس بات کی تردید ہوتی ہے (کہ باہر سے آنے والے مسلمان حکمرانوں کو وطن کا درد نہیں ہوتا) تاریخ سے یہ بات ثابت ہے اور مشاہدے میں آچکی ہے کہ باہر سے آنے والے کتنے مسلمان حکمرانوں نے اپنے زیر حکومت علاقے سے پوری وفاداری کی، اس میں حاصل ہونے والی نعمتوں پر شکر گذار رہے اور اسے خوبصورت اور مستحکم بنانے میں امانت و دیانت کا پورا خیال رکھا۔

اس کے برعکس بہت سے ابناء وطن نے بالکل الٹا معاملہ کیا، لہذا درحقیقت کسی علاقے سے مسلمانوں کی حکومت زائل ہونے کا سبب حکمرانوں کی قومیت نہیں ہوتی۔ بلکہ سبب یہ ہوتا ہے کہ اس علاقے کے اکابر کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں۔ وہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اسی فسق و فجور کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ حکومت نااہلوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالی کا قول ان کے بارے میں سچا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی اس پر ایسے لوگوں کو مسلط فرما دیتے ہیں جو اسے تباہ کر کے چھوڑتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جو قوموں کے زوال و انحطاط کی تاریخ سے ثابت ہوتی ہے۔ جو لوگ ملکوں کے حالات پر عمیق نگاہ رکھتے ہیں وہ ان کے مصائب کو فساد کے اصل سبب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خواہ وہ سب زمانے کے حساب سے کتنا پرانا ہو۔

کسی ملک کا وہ آخری حکمران جس کے ہاتھوں اس ملک کا زوال ہوتا ہے، وہ درحقیقت ایک چھپے ہوئے مرض کی ظاہری علامت کے بجائے اس کے بحران کو اور بڑھاتا ہے یہاں تک کے وہ مرض امت کے لئے صاعقہ سے زیادہ شدید ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ بیمار جسم متاثر نہیں ہوتا لہذا

چونکہ حکمران شر کی علامت ہوتا ہے، اس لئے اس کی دنیا وآخرت کی رسوائی کے لئے یہ بات کافی ہے۔

لہذا دراصل الجزائر کا مرض اسی دن شروع ہو گیا تھا۔ جب قسطنطنیہ میں (جو خلافت عثمانیہ کا پایہ تخت تھا) اخلاقی زوال شروع ہوا اور اس کے نتیجے میں حکومتی ادارے خراب ہوئے، حکام میں بگاڑ پیدا ہوا اور حسین پاشا جیسے حکام کی وبا سے صرف الجزائر نہیں، ملک کے بہت سے حصے متاثر ہوئے ، اور وہاں ظلم وستم، بدنظمی اور بربادی پھیل گئی'' (صفوۃ الاعتبار، بمستوع الامصار والا تطالح محمد بیرم ص ۱۹۰۰ ج ۳)

بہر کیف! ۱۲۴۶ء میں فرانسیسی استعمار نے الجزائر پر اپنے پنجے گاڑ لئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں مزاحمت کی تحریکیں جاری رہیں بالآخر فرانس نے سب پر قابو پا کر اپنی مستحکم حکومت قائم کرلی۔ الجزائر پر فرانس کا استعمار عالم اسلام کا بدترین استعمار ثابت ہوا۔ جس میں مسلمانوں کے لئے شخصی زندگی میں بھی دین پر عمل کرنا دوبھر بنا دیا گیا بہت سی مسجدیں میں شہید کر دی گئیں۔ بہت سی مساجد کلیساؤں میں تبدیل کر دی گئیں، اسلامی علوم تو کجا عرفی زبان کی تعلیم پر بھی پابندی لگائی گئی۔ عربی کے بجائے فرانسیسی زبان کو ملک کی سرکاری زبان قرار دے کر لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس زبان کو نہ صرف سیکھیں، بلکہ اپنے تمام معاملات زندگی اسی زبان میں انجام دیں۔ لوگوں کو یہاں وسیع پیانے پر آباد کیا گیا، یہاں تک کہ شہر الجزائر میں اکثریت عیسائیوں کی ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ یورپ کی تمام اخلاقی بیماریاں درآمد کر کے یہاں پھیلائی گئیں۔ یہاں تک کہ بڑے شہروں میں مسلمان خواتین کے غیر مسلموں کے ساتھ نکاح کے بہت سے واقعات ہوئے۔ لیکن اللہ تعالی اپنے دین کا کفیل ہے۔ جبر وتشدد کی اس فضا میں بھی کچھ الل کے بندے دینی علوم کو سینے سے لگائے بیٹھے رہے۔ انہوں نے چھپ چھپ کر درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت سے لوگوں کو دینی علوم میں کمال حاصل کرنے کے لیے تیونس کی جامع زیتونہ اور مصر کی جامع ازہر میں بھیجتے رہے۔ دوسری طرف ملک کے مختلف حصوں میں فرانسیسی استعمار کے خلاف جدوجہد کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ یہاں تک کہ تقریبا سو، سوا سو سال کے بعد یہ جدوجہد ایک منظم تحریک آزادی کی شکل اختیار کرگئی اور سالہا

سال کی مسلح جدوجہد اور زبردست جانی و مالی قربانیوں کے بعد ملک فرانسیسی سامراج کے تسلط سے آزاد ہوا لیکن عالم اسلام کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی استعمار کے طویل زمانے میں فرانسیسی سامراج ملک میں ایسے لوگوں کی پوری ایک نسل تیار کر چکا تھا جو سیاسی طور پر سامراج کے خواہ کتنے خلاف ہوں لیکن نظری اور ملی لحاظ سے پوری طرح یورپ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اور اس کے ذہن سے سوچنے کے عادی تھے۔

آزادی کی تحریک میں جہاں ایک بہت بڑی تعداد اسلامی ذہن کے مخلص مجاہدین کی تھی، وہاں ایک بڑا عنصر ایسا بھی تھا جس کی نظر میں آزادی کا مقصد دین کی بالا دستی کو واپس لانا نہیں، بلکہ صرف وطنی بنیاد پر اپنی قوم کو بیرونی حملہ آوروں سے آزاد کرانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس تحریک نے اس حد تک تو کامیابی حاصل کر لی لیکن آزادی کے بعد جن لوگوں نے عنان اقتدار سنبھالی، وہ زیادہ تر دوسرے عنصر سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ملک کو اشتراکی جمہوریہ قرار دینے کا اعلان کر دیا۔ اور اشتراکی پالیسیوں ہی کی پیروی شروع کر دی جس کے نتیجے میں ان لوگوں کی امیدیں میں خاک میں مل گئیں جنہوں نے جان و مال کی قربانیاں اس لیے دی تھیں کہ یہاں اسلام کی بالادستی قائم ہو۔ شروع شروع میں دوسری اشتراکی حکومتوں کی طرح یہاں بھی دین کے سلسلے میں کہا نے قدرے سختی کی پالیسی اختیار کی گئی لیکن عوام کی اصل خواہش کو بہت دنوں تک زیادہ دبایا نہیں جا سکا۔ اور رفتہ رفتہ اس معاملے میں نرمی اختیار کرنا پڑی۔ اب بحمد اللہ قدرے نرمی کی پالیسی پر عمل ہو رہا ہے۔ دوسری طرف عوام بالخصوص نوجوانوں میں اسلام کو ہر شعبۂ زندگی میں برسر کار لانے کے لئے ایک پر جوش شعور پیدا ہو رہا ہے اس شعور کو سختی سے دبانا بھی حکومت کے لیے مشکل ہے، اور اسے وہ ایک سیاسی خطرہ بھی سمجھتی ہے۔ اس لیے ایسی بین کی پالیسی پر گامزن ہے جس میں اسلام کا فی الجملہ نام بھی لیا جاتا رہے۔ اور ملی زندگی میں اس کے نفاذ کی تحریک کوئی خطرہ بھی نہ بن سکے۔ یہی پالیسی عالم اسلام کی تقریباً تمام حکومتوں نے اختیار کی ہوئی ہے کہیں کم کہیں زیادہ۔

❁❁❁

بیچا ہوا مال واپس لینے کا حکم

ماخوذ از: شمائل کبریٰ، جلد 1 حصہ دوم صفحہ 3431

تالیف: مولانا مفتی محمد ارشاد قاسمی مدظلہ العالی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کے خریدے ہوئے مال کو واپس کرلے (جبکہ وہ واپس کرنا چاہے) تو اللہ پاک قیامت کے دن اس کے گناہ معاف کردے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترغیب ج2 ص566)

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کے خریدے ہوئے مال کو واپس لے لے، اللہ پاک قیامت کے دن اس کے گناہوں کو واپس فرمالے گا۔ یعنی معاف فرمادے گا۔ (ترغیب ج2 ص567)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ کچھ فروخت کیا ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم کو اختیار رہے ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی طرح بیع ہوتی ہے ۔ (یعنی اختیار دے دے تاکہ کسی وجہ سے پسند نہ آنے پر واپسی کا اختیار رہے۔ (بزار ج2 ص93)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دیہاتی کو فروخت کرنے کے بعد اختیار دیا تھا۔ (مشکوٰۃ ص244) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم خریدا کرو تو کہہ دیا کرو میں دھوکا نہیں کھاؤں گا (یعنی واپسی کا اختیار رہے گا) چنانچہ وہ

شخص یہ کہتا۔(مشکوٰۃ ص 244، بخاری و مسلم)

حضرت قیلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروہ کے مقام پر کبھی ملاقات کی اور کہا اے اللہ کے رسول ! میں خرید وفروخت کرتی ہوں ۔ میں جب کسی چیز کو خریدنا چاہتی ہوں تو جو دینے کا ارادہ کرلیتی ہوں ، اس سے کم دام لگاتی ہوں ، پھر زیادہ کرتی ہوں تاکہ میرے بھاؤ تک آجائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اے قیلہ تم ایسے مت کرو، جب تم خریدنا چاہوتو وہ لگاؤ جوتم دینا چاہتی ہو۔خواہ وہ دے یا نہ دے، اسی طرح جب کسی چیز کو بیچنا چاہوتو وہی بھاؤ کہو جوتم چاہتی ہو،خواہ ملے یا نہ ملے۔(ابن ماجہ ص743)

فائدہ:-ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خریدار کو خریدنے کے بعد واپسی کا بھی اختیار رہتا ہے۔خریدنے کے بعد کسی وجہ سے واپس کرے۔مثلاً یہ کہ جلدی میں خریدلیا۔زیادہ دیکھ نہیں پایا۔غورنہیں کر پایا تو بائع کو چاہیئے کہ واپس کرلے۔اس کا بڑا ثواب ہے۔دیکھنے کے بعد واپس نہیں ہوگا۔ یہ اسلامی طریقے کے خلاف ہے۔شریعت کا حکم ہے، سنت ہے کہ واپس لے کر پوری قیمت واپس کرے۔ ہاں اگر سامان بدل جائے ،عیب پیدا ہوجائے تو پھر دوسری بات ہے۔

اور یہ بھی کہ جولوگ مول بھاؤ زیادہ رکھتے ہیں کہ ایک مول سے ناواقف شخص کو بسا اوقات دھوکا ہو جاتا ہے، درست نہیں۔بعض لوگ دام اور قیمت زیادہ بڑھا کر کہتے ہیں کہ خریدار دھوکا کھا جاتا ہے اور اپنے تخمینہ سے کم کرنے کے باوجود اس کی قیمت زائد ہی رہتی ہے ۔ پھر بعد میں دھوکے کا احساس ہوتا ہے۔ یہ طریقہ ممنوع ہے کہ دھوکہ دینے کی ایک خاص صورت ہے۔معاملہ صاف رکھنے سے ہر ایک کو راحت رہتی ہے اور ایسوں کی تجارت بھی زائد چلتی ہے۔

❁❁❁

آپ کے مسائل کا حل

دارالافتاء والتحقیق

وصیت تہائی میں نافذ ہوتی ہے

سوال: میری والدہ نے وفات سے پہلے ایک وصیت لکھی تھی گھر کو مدرسہ بنانے کے حوالے سے تو کیا وہ وصیت ان کے بیٹے پر شرعی طور پر لاگو ہوتی ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ والدہ شوگر کی مریض تھیں اور ان کی ایک ٹانگ کٹ چکی تھی جب یہ وصیت لکھی تھی اس وقت بھی وہ ہسپتال میں داخل تھیں وصیت کی عبارت یہ ہے۔

گھر میں صرف مدرسہ بنانا ہے عورت بھی اگر رہے گی تو اکیلی بچے اور بندے کو نہیں رکھے گی اگر بندہ چلائیگا تو اس میں بھی عورت اور بچوں کو نہیں؟۔

جواب: میت کی وصیت اس کے چھوڑے ہوئے مال کی ایک تہائی 3/1 میں نافذ ہوتی ہے اس سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوتی، اگر مذکورہ مکان میت کے ترکے کی ایک تہائی مقدار تک یا اس سے کم ہے تو وصیت معتبر ہوگی اگر زیادہ ہے تو زیادہ کا معتبر ہونا ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے اگر سب ورثاء خوش دلی سے اس کو منظور کرلیں تو جائز ہے ورنہ کل وصیت کے ایک تہائی کے بقدر مکان میں وصیت پر عمل کیا جائے۔ (فتوی نمبر:15/157)

والدین کے کہنے پر بیوی کو طلاق دیں یا نہیں

سوال: اگر والدین اپنے بیٹے سے کہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو جبکہ میاں بیوی خوش

ہیں تو اس صورت میں مرد کو کیا کرنا چاہیے؟ والدین کی بات مان لینی چاہیے یا نہیں؟ کیا یہ بات قرآن، حدیث سے بھی ثابت ہے؟ اگر کسی وجہ سے والدین ایسا کہیں تو تب کیا حکم ہے؟ اور اگر بلا وجہ کہیں تو تب کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

جواب: ہمارے ماحول میں والدین کی جانب سے بیوی کو طلاق دلوانے کا مطالبہ عام طور سے آپس کے بلاوجہ کے جھگڑوں کی وجہ سے ہوتا ہے دین یا دنیا کی مصلحت پیش نظر نہیں ہوتی ایسی صورت میں والدین کا حکم ماننا ضروری نہیں، نیز اس معاملے میں اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا کہ بیٹا یا بیوی صبر بھی کر سکیں گے یا نہیں اگر صبر نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تب بھی طلاق دینا ضروری نہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ اگر والدین نے طلاق کا مطالبہ دین و دنیا کی کسی مصلحت کی خاطر کیا ہو اور میاں بیوی صبر و برداشت بھی کر سکتے ہوں تب طلاق کے حکم پر عمل کرنا چاہیے، احادیث میں اس قسم کے جو واقعات ملتے ہیں ان کا درست تناظر بھی یہی ہے۔

(فتوی نمبر:104/15)

لڈو کھیلنا

سوال: گھر کی بیٹھک میں لڈو کھیلنے سے کیا ہوتا ہے؟ میں نے سنا ہے جہاں لڈو کھیلی جاتی ہے وہاں پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ اس بارے میں رہنمائی فرمائیں

جواب: لڈو ایسا کھیل ہے جس میں دین یا دنیا کا کوئی قابل ذکر فائدہ نہیں ہے اس لیے کھیلنا ناجائز ہے۔ لیکن یہ بات کہ ”جہاں کھیلی جاتی ہے وہاں لعنت برستی ہے“ ہمیں کہیں نہیں ملی۔
مسائل بہشتی زیور (2/482) میں ہے:

وہ کھیل جن میں دینی یا دنیوی کچھ فائدہ نہ ہو ایسے کھیل بھی ناجائز ہیں مثلا لڈو کھیلنا، ویڈیو گیم کھیلنا۔۔۔ وغیرہ کہ ان میں فائدہ کچھ نہیں، البتہ وقت کا ضیاع ہے۔ (فتوی نمبر:15/49)

کلر لینز اور نقلی پلکیں لگانے کا حکم

سوال: کیا شادی شدہ عورت کے لئے آنکھوں میں کلر لینز لگانا ،نقلی پلکیں لگانا جائز ہے؟ شادی والے دن لگانے کا کیا حکم ہے؟۔

جواب: 1۔زینت کے لئے کلر لینز لگانا جائز ہے بشرطیکہ کسی کو دھوکہ نہ دیا جائے اور نیلے رنگ کے لینز سے اجتناب کیا جائے ، کیونکہ اس میں جہنمیوں کی آنکھوں کی مشابہت ہے۔

2۔نقلی پلکیں لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں انسانی بال یا ایسی چیزیں استعمال نہ ہوئی ہو جس کا استعمال ناجائز ہے اور کسی کو دھوکہ دینے کے لیے نہ لگائی گئی ہوں۔ (فتوی نمبر:1/9/40)

نامحرم عورت کو سلام کرنا ، بھابھی کو سلام کرنا

سوال: کسی نامحرم عورت کو سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر نندوئی اپنی بیوی کی بھابی کو سلام کرے اور بھابھی پردے میں ہو اور سلام کا جواب دے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مذکورہ صورت میں نندوئی سلام کر سکتا ہے اور بھابی سلام کا جواب بھی دے سکتی ہے کیونکہ غیر محرم کو سلام کرنا یا غیر محرم کو اونچی آواز سے جواب دینا اس صورت میں ممنوع ہے جب سلام کی کوئی معقول وجہ نہ ہو بلکہ محض سلام برائے سلام ہو۔جبکہ یہاں ایک معقول وجہ (رشتہ داری) موجود ہے۔یاد رہے کہ غیر محرم سے ضرورت سے زائد گفتگو فتنے کا باعث ہوسکتی ہے اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (فتوی نمبر:15/8/40)

زم زم کے علاوہ کوئی اور پانی کھڑے ہوکر پینا

سوال: کیا زمزم کے علاوہ کوئی اور پانی کھڑے ہوکر پینا جائز ہے۔

جواب: زمزم کے علاوہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔

(فتوی نمبر:9/9/40)

عظیم محدث، نمونہ اسلاف، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی ؒ کے خصوصی تربیت یافتہ علماء کرام کی زیر نگرانی

2 سالہ تخصص فی علوم الحدیث

جامعۃ دار التقویٰ
میں شائقین علوم حدیث کے لئے
عظیم خوشخبری

طلباء علوم الحدیث رجوع فرمائیں

داخلے محدود ہیں

شرائط داخلہ

- وفاق المدارس کے امتحان میں ممتاز یا جید جدا کامیاب ہو یا کسی مستند مدرسے سے اچھے نمبرات سے فراغت حاصل کی ہو
- عربی عبارت روانی سے پڑھ اور سمجھ سکتا ہو
- بنیادی تحریری صلاحیت ہو
- داخلہ زبانی و تحریری جائزے کی بنیاد پر دیا جائے گا
- اکابر علماء دیوبند کے مسلک و مشرب سے فکری وابستگی و ہم آہنگی ہو

آغاز داخلہ: 15 شوال ۱۴۴۲ بمطابق مئی 2021

0322-4055226 0334-3129458

بمقام جامع مسجد الہلال، چوبرجی پارک، لاہور

+92-3-222-333-224 www.darultaqwa.org /jamiadarultaqwa
شرعی مسائل میں رہنمائی کیلئے Mufti Online +92-300-4113082 ifta4u@yahoo.com

دار التقویٰ لاہور

گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی

الحمد للہ جامعہ دار التقویٰ لاہور شعبہ بنین

میں داخلے جاری ہیں

حفظ | ناظرہ | درس نظامی

خالص علمی ودعوتی ماحول میں

دورہ حدیث شریف

جامعہ دار التقویٰ کے زیر اہتمام

اساتذہ دورہ حدیث

شیخ الحدیث حضرت مولانا عثمان صاحب دامت برکاتہم
تلمیذ رشید حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب ؒ

استاذ الحدیث حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم
تلمیذ رشید حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب ؒ

استاذ الحدیث حضرت مولانا اویس صاحب دامت برکاتہم
تلمیذ رشید حضرت مولانا مالک کاندھلوی

استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم
ودیگر تجربہ کار، ماہر مدرسین دورہ حدیث شریف

دو سالہ تخصص فی الفقہ

جامعۃ دار التقویٰ
شائقین علوم دینیہ کے لئے
عظیم خوشخبری

داخلے محدود ہیں

آغاز داخلہ 10 شوال سے وقت داخلہ صبح 8 تا 12

مرکزی دفتر: جامعہ دار التقویٰ جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک، لاہور 042-35967905

+92-3-222-333-224 www.darultaqwa.org /jamiadarultaqwa
شرعی مسائل میں رہنمائی کیلئے Mufti Online +92-300-4113082 ifta4u@yahoo.com

دار التقویٰ لاہور

مرکز مسجد الہلال کے قریب تقریباً تین کنال کا پلاٹ حاصل کر لیا گیا ہے، جہاں وسیع و عریض بلڈنگ تعمیر کی جائے گی اور دار القرآن و دیگر شعبہ جات قائم کئے جائیں گے
احباب سے تعاون کی درخواست ہے
دار القرآن
MODELO ARCHITECTS & INTERIORS
MIB گلشن راوی برانچ
DARUL TAQWA TRUST:اکاؤنٹ ٹائٹل
1001820660001:اکاؤنٹ نمبر 159:برانچ کوڈ نمبر